مئی ۸۸

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعت خصوصی

بموقع

ماہِ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

مرتب

جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

فوم کی جدید ٹیکنالوجی کا شاہکار

چیئرمین فوم

بہترین کوالٹی

معیار کی پہچان
مہران کا نشان

میلوڈی فوم سِیگل فوم

انٹرنیشنل سٹینڈرڈ کے مطابق جدید ٹیکنالوجی پر آٹومیٹک انگلش پلانٹ پر تیار کردہ
آپ کے اعلیٰ ذوق اور بہترین آرام کے لیے

بے جوڑ گدّے۔ صوفہ کشن۔ صوفہ کم بیڈ۔ فوم شیٹس۔ تکیے وغیرہ

پیشکش: مہران فوم انڈسٹریز۔ شیخوپورہ روڈ۔ لاہور فون ۱۷۳۷

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد	۳۷
شمارہ	۵
رمضان المبارک	۱۴۰۸ھ
مئی	۱۹۸۸ء
فی شمارہ	۷/-
سالانہ زرِ تعاون	۵۰/-

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

اقتدار احمد

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

15/16/37

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا -/۱۵۰ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶ امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹ امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ 〃 〃
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲ امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ 〃 〃

ترسیلِ زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ (پاکستان)، لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور-۱۴ فون: ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۴

پبلیشرز: لطف الرحمٰن خان مقامِ اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن- لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح لاہور

اس شمارے کی قیمت -/۷ روپے

مشمولات

★ عرضِ احوال ——— ۳

واردات قلب

(شیخ) جمیل الرحمٰن

★ عظمتِ صیام وقیام رمضان ——— ۱۲

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ میں کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے آغاز پر
امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا افتتاحی خطاب

★ قرآن حکیم کے حقوق اور اس کے عملی تقاضے ——— ۴۹

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ میں ڈاکٹر اسرار احمد کا پہلا خطابِ جمعہ

★ دعا کی حقیقت ——— ۸۱

ڈاکٹر اسرار احمد کا دوسرا خطابِ جمعہ

★ روحِ اعتکاف اور عظمتِ لیلۃ القدر ——— ۱۰۳

ڈاکٹر اسرار احمد کا تیسرا خطابِ جمعہ

★ مولانا سید حامد میاںؒ کی وفات پر "اوّل وہلے میں" ——— ۱۱۹

مولانا افتخار احمد فریدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وارداتِ قلب

(شیخ) جمیل الرحمٰن

یکم فروری ۸۸ء کی صبح بعد فجر ان سطور کے عاجز راقم نے معمول کے مطابق مطالعۂ قرآن کی غرض سے مصحف کھولا تو سورۃ البقرہ کا ۲۳واں رکوع سامنے تھا۔ یہ پورا رکوع حکمت و احکام صیام سے متعلق ہے۔ مطالعے سے فارغ ہو کر راقم دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اسی رات یعنی یکم اور دو فروری کی درمیانی شب خواب میں دیکھا کہ ماہنامہ "میثاق" کا "رمضان نمبر" شائع ہوا ہے اور راقم اس کا مطالعہ کر رہا ہے۔ صبح کو یہ خواب ذہن پر مستولی تھا۔ خیال آیا کہ ابھی رمضان المبارک کی آمد میں قریباً ڈھائی ماہ کی مدت باقی ہے۔ کیلنڈر دیکھا تو ۱۸ اپریل ۸۸ء کو یکم رمضان کی متوقع تاریخ درج تھی۔ ذہن نے اس نمبر کے لئے تانا بانا بننا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور دل اس بات پر جم گیا کہ دو سال قبل رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ مطابق مئی جون ۱۹۸۶ء میں جب امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے کراچی میں ناظم آباد بلاک نمبر ۵ (پاپوش نگر) کی جامع مسجد میں دورہ ترجمہ قرآن کا جو مہتم بالشان اور انتہائی پر مشقت کام اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے انجام دیا تھا' تو اس موقع پر ڈاکٹر صاحب موصوف نے روزہ اور رمضان کی مناسبت سے کئی خطابات ارشاد فرمائے تھے۔ مثلاً ۳۰ شعبان کی شب کو "استقبال رمضان المبارک" کے موضوع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت جامع حدیث کے حوالے سے خطاب ہوا تھا۔ اسی طرح دورۂ ترجمہ قرآن سے قبل سورۃ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی چھ آیات کی روشنی میں ایک نہایت مبسوط' جامع اور پر تاثیر خطاب ارشاد فرمایا تھا۔ مزید برآں امیر محترم نے رمضان المبارک کے تین جمعوں میں ناظم آباد کی تین مختلف جامع مسجدوں میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" "حقیقت دعا" اور "اعتکاف و لیلۃ القدر کی مسنون عبادات" کے موضوعات پر

بالترتیب ارشاد فرمائے تھے۔ خیال آیا کہ ان سب کو ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر کے ان خطابات کے مجموعے اور رمضان المبارک سے متعلق چند دوسری اہم چیزوں پر مشتمل اپریل ۸۸ء کے "میثاق" کے شمارے کو اشاعت خاص "رمضان نمبر" کے نام سے شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت یہ تجویز امیر محترم' بھائی اقتدار صاحب اور عزیزم حافظ عاکف سعید سلمہ کو بذریعہ خطوط بھیج دی۔ کیسٹوں کے اپنے اسٹاک کا جائزہ لیا تو بحمد اللہ امیر محترم کے افتتاحی خطاب اور پہلے جمعہ کے خطاب کے کیسٹس موجود تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے اور اس کی نصرت و تائید کے بھروسے پر اسی دن سے افتتاحی خطاب کی منتقلی کا کام شروع کر دیا۔ بعدہ دوسرے اور تیسرے جمعوں کے خطابات کے کیسٹس بھائی عبدالواحد عاصم سے منگا لئے گئے۔ لاہور نے اثبات میں جواب آنے میں کچھ دیر ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جواب آنے تک راقم افتتاحی خطاب کی منتقلی کا کام ختم کر کے پہلے جمعہ کے خطاب کی منتقلی کے کام کا آغاز کر چکا تھا۔ حالانکہ طبیعت پوری طرح بحال نہیں ہوئی تھی اور معالج صاحب نے ہر نوع کے جسمانی و ذہنی کام کرنے کی اس وقت تک اجازت نہیں دی تھی لیکن یہ اسی رب کریم کا خاص فضل ہے کہ ۲۸ر فروری تک دونوں خطابات کی منتقلی اور ان پر نظر ثانی کا کام مکمل ہو چکا تھا اور طبیعت میں کوئی غیر معمولی خرابی بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یکم مارچ کی صبح کو بھائی واحد علی رضوی کے ساتھ شالیمار سے روانہ ہو کر اسی رات کو لاہور پہنچا۔ ۲ر اور ۳ر مارچ کو مجلس مشاورت میں شرکت رہی۔ ۴ر مارچ کو جمعہ تھا۔ ۵ر مارچ کو امیر محترم نے میثاق کے تنظیم نو کے سلسلے میں جس خواہش کا اظہار فرمایا تھا' اس کا ذکر "میثاق" کے گذشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ امیر محترم کی خواہش کے احترام میں اسی روز سے دونوں شماروں کیلئے کام شروع کر دیا' اور ۲۰ر مارچ تک بحمد اللہ رمضان نمبر سے متعلق بقیہ دو خطابات بھی ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر لئے گئے۔ ساتھ ہی تنظیم اسلامی سے متعلق خصوصی اشاعت کا کام بھی جاری رہا۔ اس میں شامل اپنے مضمون کا آخری حصہ ۲۸ر مارچ کو رقم ہوا اور "رمضان نمبر" کے لئے یہ سطور آج ۳۰ر مارچ کو قلم بند کی جا رہی ہیں۔ اس مجوزہ نمبر کا مکمل خاکہ بھی آج مرتب کر کے عزیزم میاں عاکف سعید سلمہ کو دے دیا ہے۔ فللہ الحمد و المنۃ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق و نصرت سے عزیزم میاں عاکف سلمہ اس اشاعت خاص کو تیاری کے جملہ مراحل سے گزار کر ۱۷ یا ۱۸ر اپریل تک پریس بھجوا دیں گے اور ۲۲ر اپریل یعنی چوتھے پانچویں روزے کے آس پاس یہ اشاعت قارئین کرام کے ہاتھ

میں ہوگی۔ انشاءاللہ العزیز۔

راقم محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ امیر تنظیم اسلامی کے جو دروس قرآن حکیم اور خطابات ٹیپ سے منتقل کیا کرتا رہا ہے ان پر نظر ثانی اور لفظی اصلاح نیز نوک پلک کی درستگی کا کام عزیزم میاں عاکف سلمہ انجام دیا کرتے تھے' لیکن وہ فروری سے ادارۂ "ہفت روزہ ندا" کو بھی وقت دینے لگے ہیں۔ ہم قرآن اکیڈیمی کے اعزازی فیلو کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں قرآن کالج اور اکیڈیمی میں شعبہ درس و تدریس کی نگرانی' مزید برآں شعبہ نشرواشاعت کی نگرانی اور حکمت قرآن و "میثاق" کی تدوین و ترتیب کی ذمہ داری تاحال انہی کے کاندھوں پر ہے۔ انہوں نے اپنے اوقات کار کو اس طرح تقسیم کر رکھا ہے کہ صبح قریباً ساڑھے آٹھ بجے سے ایک بجے تک اپنا وقت اکیڈیمی کے کاموں کو اور بعداز دوپہر ہفت روزہ ندا کو دیتے ہیں۔ ہفتے میں ایک دن بعد نماز مغرب ایک تنظیمی سُمرے میں ان کا ہفتہ وار درس بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا راقم کے اتارے ہوئے امیر محترم کے دروس قرآن اور خطابات پر نظر ثانی' ان کی اصلاح اور ان کی تسوید کے کام کے لئے مناسب وقت دینا ان کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ چنانچہ امیر محترم کی اجازت سے انہوں نے اس کام کا بڑا حصہ قرآن اکیڈیمی کے دوسرے فیلو اور رفیق تنظیم حافظ خالد محمود خضر کے سپرد کر دیا جو اکیڈیمی کی لائبریری کے انچارج ہیں اور ان کے سپرد چند تدریسی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ راقم کو اس تجربہ سے بڑی دلی مسرت حاصل ہوئی کہ جہاں ان میں بحمداللہ دروس و خطابات ٹیپ سے منتقل کرنے کی صلاحیت موجود ہے' وہاں راقم کے منتقل شدہ دروس و خطابات پر نظر ثانی' اصلاح و تہذیب کی بھی قابل اعتماد اہلیت و استعداد موجود ہے۔ چنانچہ رمضان المبارک کے خصوصی نمبر سے متعلق امیر محترم کے جو خطابات راقم نے ٹیپ سے اتارے تھے' ان پر نظر ثانی کا کام وہ انجام دے رہے ہیں اور اب تک انہوں نے جتنا کام کیا ہے اسے دیکھ کر راقم کو قلبی اطمینان ہوا کہ راقم کی جگہ پر کرنے والے بفضلہ تعالیٰ راقم سے کہیں بہتر باصلاحیت کارکن تنظیم میں موجود ہیں۔

مندرجہ بالا سطور میں دو باتوں کا ذکر آیا ہے ایک "ہفت روزہ ندا" کا اور دوسرے امیر محترم کے دروس و خطابات پر نظر ثانی کرنے کے کام کا۔ راقم اس معاملہ میں چند ضروری اور اہم باتیں عرض کرنا چاہتا ہے۔ پہلی "ندا" سے متعلق ہے۔ جو حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ "ندا" کا اجرا مالی منفعت کے لئے عمل میں آیا ہے' وہ شدید غلط فہمی اور مغالطے میں مبتلا ہیں۔ شاید یہ بات تنظیم کے بعض رفقاء کے تحت الشعور میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے "ندا" کے ساتھ

ان کا معاملہ قابل شکایت حد تک بے اعتنائی کا ہے۔ راقم کو اس میدان کا کچھ نہ کچھ تجربہ ہے۔ اس پر فتن دور میں کوئی شخص مالی منفعت کے نقطہ نظر سے کوئی پرچہ وہ بھی ہفت روزہ معیاری پرچہ نکال کر دو ممکنہ طریقوں سے نپٹ سکتا ہے۔ ایک یہ کہ ہمارے معاشرے میں بد ذوقی کا جو رجحان جڑیں پکڑا ہوا ہے وہ اسے مزید بگاڑنے کے لئے نیم عریانی ہی نہیں بلکہ خالص عریانی کی تشہیر کا کام کرے اور اس طرح اس بد ذوقی کی مارکیٹ اور میدان میں اپنی جگہ پیدا کر سکے۔ دوسرے یہ کہ وہ حکومت وقت میں سے کسی اعلیٰ مقتدر یا اس کے کسی حواری کا 'IMAGE' قائم کرنے کا کام کرے۔ ان کی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی کو اپنا معمول بنالے۔ پھر غور طلب بات یہ ہے کہ بھائی اقتدار کو کون نہیں جانتا کہ وہ بحمد اللہ ایک معقول نفع بخش کاروبار کے مالک ہیں اور مالی حیثیت سے آسودہ حال اور مطمئن ہیں بلکہ ان کی شعوری کوشش ہے کہ وہ اپنے کاروبار سے محض نگرانی کا تعلق رکھیں اور بقیہ وقت اور اپنی توانائیاں تحریک اور دعوت کے لئے وقف کر دیں۔ چنانچہ اس کام کے لئے انہوں نے قلم ہاتھ میں لینے کے کام کو ترجیح دی۔ چونکہ اس کا ان میں ذوق بھی ہے اور ماضی بعید کا کافی عملی تجربہ بھی ہے۔ انہوں نے قریباً تیس پینتیس سال بعد قلم اپنے ہاتھ میں پکڑا ہے۔ "میثاق" میں "عرض احوال" کے زیر عنوان اب تک جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس پر وہ شیر خاں بنی مرحوم جیسے صاحب ذوق سے جو ابوالکلام آزاد مرحوم کی طرز نگارش کے عاشق اور مولانا ظفر علی خاں، عبدالمجید سالک، مرتضیٰ خاں میکش مرحومین اور ان کے ہم عصر اہل قلم اور معیاری صحافیوں کے اسلوب تحریر کے دل دادہ تھے، خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔ یہی کیفیت سردار اجمل خاں مرحوم کی تھی جو ۲۸ر مارچ ۸۸ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ہیں۔ اللھم اغفرلھم وارحمھم وحاسبھم حسابا یسیرا۔ مزید برآں ان کو اپنے ہم عصر صحافیوں سے بھی داد اور خراج تحسین ملا۔ اقتدر بھائی اپنے تجربے کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ کسی تحریک کا فکر محض اس کے اپنے آفشل آرگن کے ذریعہ سے ذہین و فطین افراد بالخصوص ان افراد تک پہنچنا انتہائی مشکل ہے جو کسی نہ کسی جماعت میں منسلک ہونے کے باعث ایک نوع کی جماعتی عصبیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد کے فکر و نظر اور قلب و ذہن پر دستک دینے کے لئے ایسے بے شمار جرائد کی ضرورت ہوتی ہے جو اس مخصوص اصولی و انقلابی دعوت کے انصار و اعوان تو ہوں لیکن ان کے پرچوں پر اس فکر کی حامل جماعت کا لیبل لگا ہوا نہ ہو تاکہ وہ غیر محسوس طریق پر ملک کے ذہین و فطین اور مخلص لوگوں کے ذہن و قلب میں اس تحریک پر غور و فکر کرنے کے لئے راہ پیدا

کر سکیں۔ جب تک "ندا" جیسے متعدد پرچے صحافت کے میدان میں نہیں آئیں گے، تنظیم اسلامی کا فکر اور اس کی دعوت ایک خاص ذہن کے افراد تک محدود رہے گی اور اس میں توسیع کے امکانات کم ہوں گے۔ راقم ذاتی تجربہ کی بناء پر عرض کرتا ہے کہ محض تحریک کے مفاد میں اور اس کو وسیع پیمانے پر غیر محسوس طریق سے پھیلانے کے لئے اقتدار بھائی نے "ندا" کا اجراء کیا ہے۔ اس کام پر وہ جتنی توانائیاں لگا رہے ہیں' جان کھپا رہے ہیں' اپنا پیسہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں وہ قابل رشک ہی نہیں قابل تقلید ہے۔ لہٰذا راقم میثاق کے قارئین بالخصوص تنظیم اسلامی کے رفقاء کی خدمت میں پوری دلسوزی س عرض کرتا ہے کہ وہ "ندا" کے ساتھ سوتیلے پن کے سلوک کے بجائے وہ سلوک کریں جو خاص اپنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تاکہ یہ پرچہ پوری طرح اگر اپنے پیروں پر کھڑا نہ بھی ہو سکے۔ تو اس پر پانی کی طرح پیسہ نہ بہے کہ پانی آنے کے سوتے ہی جواب دے جائیں۔ ع

"شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات"

دوسری بات اس شمارے میں شامل خطابات کے متعلق راقم کو یہ عرض کرنی ہے کہ آپ ان خطابات میں مضامین کی بے حد تکرار پائیں گے۔ تکرار کلام کا عیب ہوا کرے لیکن بعض اوقات کسی بات کو قلب وہ ذہن' شعور و ادراک اور فکرو نظر میں جاگزیں (HAMMER) کرنے کے لئے یہ ناگزیر ہوتی ہے پھر چونکہ یہ علیٰحدہ علیٰحدہ خطابات ہیں لہٰذا ان میں تکرار کا ہونا قدرتی عمل ہے لہٰذا قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اس تکرار کا اسی نقطۂ نظر سے مطالعہ فرمائیں گے تو اسے بڑی حد تک مفید مطلب پائیں گے۔ انشاءاللہ العزیز۔

راقم کو اپنے اس مضمون کا عنوان نہیں سوجھ رہا تھا۔ کبھی ذہن میں گذارش احوال واقعی" آیا کبھی "تعارف مقصد" کبھی کوئی اور لیکن کسی پر دل نہیں ٹھکتا تھا۔ بعض لوگوں کو شاید یہ بات پسند نہ آئے کہ

خاکسار اس مضمون میں دو مرتبہ اپنے خوابوں کا ذکر کر رہا ہے لیکن امر واقعہ کے اظہار میں کیا باک! لہٰذا عرض ہے کہ مندرجہ بالا عنوان کا اشارہ بھی خاکسار کو خواب ہی میں ہوا ہے و ما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

آخر میں راقم کو اپنے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ میری علالت کا تذکرہ اقتدار بھائی نے فروری کے میثاق کے عرض احوال میں کر دیا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم اور مخلصین کی دعاؤں کے طفیل خاکسار کی طبیعت بہتر ہے گو پوری طرح بحال نہیں ہوئی ہے عمر کا بھی تقاضا ہے جو بہترویں (۷۲) سال میں داخل ہو گئی ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ خاکسار کو ذہن میں رکھ کر یہ دعا فرمایا کریں کہ ....

اللھم من احییتہ منا فاحییہ علی الالسلام و من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان آمین یارب العالمین۔

کچھ عرصہ سے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی والدہ ماجدہ بیمار ہیں قارئین کرام سے ان کی صحت کے لئے دعا کرنے کی بھی درخواست ہے ....

اذھب الباس رب الناس و اشف انت الشافی لاشفاء الا شفاءك شفاء لا یغادر سقما اور اللھم اشفھا وارحمھا۔ آمین یارب العالمین۔

بیرونی ممالک میں مقیم رفقاء و احباب نوٹ فرمالیں!

- ازراہِ کرم مکتبہ انجمن کی کتب، کیسٹس، ماہنامہ 'میثاق' اور ماہنامہ 'حکمت قرآن' کے ضمن میں رقوم بینک ڈرافٹ کی شکل میں ارسال فرمائیں۔ اور ڈرافٹ صرف اور صرف "مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے نام (ٹائٹیل) سے بنوایا کیجئے۔
- جرائد کے سلسلے میں خط و کتابت کرتے ہوئے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔
- بھارت میں انجمن کی مطبوعات اور کیسٹس کی خریداری اور زرِ تعاون کے سلسلے میں درج ذیل پتے پر رابطہ فرمائیں۔

ANJUMAN KHUDDAMUL QURAN,

4-1-444, 2nd FLOOR BANK STREET,

HYDERABAD 500001 (INDIA)

الحمد للہ کہ ــــ اس رمضان المبارک میں

ڈاکٹر اسرار احمد

جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں
نماز تراویح کے ساتھ جو

ترجمۂ قرآن مع مختصر تشریح

بیان فرما رہے ہیں وہ ٹیلیفون ریلے سسٹم
کے ذریعے لاہور میں ۶۴ مقامات پر سنا جا رہا ہے

(نوٹ)

۱ دورۂ ترجمہ ۱۸ اور ۱۹ اپریل کی درمیانی شب سے شروع ہوگا۔
۲ ۱۷ اپریل کو بعد نمازِ عشاء سورۂ فاتحہ کا تفصیلی درس ہوگا اور چاند ہونے کی صورت میں مختصر تراویح ادا کی جائیں گی۔
۳ عشاء کی جماعت ساڑھے نو بجے ہوگی۔
۴ خواتین کے لیے جملہ سہولتوں کے ساتھ باپردہ اہتمام ہوگا۔

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شَهْرُ رَمَضَانَ
الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی
وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْیَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی
سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ۗ یُرِیْدُ
اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ ۖ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ
الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ

(البقرة:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ ہے
جس میں قرآن اتارا گیا
لوگوں کے لیے ہدایت بنا کر اور ہدایت اور حق
و باطل کے امتیاز کے کھلے دلائل کے ساتھ،
سو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو وہ
اس کے روزے رکھے، اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو
تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تعالیٰ
تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، تمہارے ساتھ سختی
نہیں کرنا چاہتا اور چاہتا ہے کہ تم تعداد پوری کرو
اور اللہ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی
بڑائی کرو اور تاکہ تم اس کے
شکر گزار بنو۔

البقرہ : ۱۸۵

عظمتِ صیام و قیامِ رمضان

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ میں کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کے آغاز پر

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کا افتتاحی خطاب

ترتیب و تسوید: (شیخ) جمیل الرحمٰن

خطبہ مسنونہ کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ نے سورہ بقرہ کی آیات ۱۸۳ تا ۱۸۸ یعنی تیسویں رکوع کی تلاوت کی۔ پھر ادعیہ مسنونہ و ماثورہ پڑھنے کے بعد فرمایا:

* * *

معزز حاضرین و محترم خواتین۔

آج ہم اللہ کے نام سے اور اس کی نصرت و تائید کے بھروسہ پر اس پروگرام کا آغاز کر رہے ہیں جو ہم نے اس رمضان المبارک کے قریباً پورے ماہ کے لئے طے کیا ہے۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق دورۂ ترجمان قرآن کا آغاز انشاء اللہ العزیز کل سے شروع ہو گا۔ اس کا طریق کار یہ ہو گا کہ چار رکعات تراویح میں قرآن حکیم کا جتنا حصہ پڑھا جانا ہو گا۔ ہم قرآن مجید سامنے رکھ کر پہلے اس کا اس طور پر مطالعہ کریں گے کہ میں متن کے ساتھ ساتھ ترجمہ کروں گا اور جہاں ضرورت ہو گی وہاں مختصر تشریح و توضیح بھی کرتا رہوں گا۔ اس طرح ہر چار رکعات سے قبل یعنی ہر تراویح میں قرآن مجید کے تلاوت کئے جانے والے حصے کا ترجمہ اور مختصر تشریح ہمارے سامنے آتی رہے گی۔ اس کا بہت مفید اور نہایت افادیت والا پہلو یہ ہے کہ قیام

میں قرآن کا جتنا حصہ پڑھا جائے گا' اس کے اکثر و بیشتر ترجمے اور مضامین و مفاہیم سے سامعین کی ذہنی مناسبت قائم رہے گی اور اس طور پر انشاء اللہ یہ تراویح کی نماز ہمارے لئے نور علیٰ نور کا مصداق بن جائے گی۔ پچھلے دو سالوں میں ہم لاہور میں قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع القرآن میں اسی طور پر دورۂ ترجمہ قرآن کر چکے ہیں اور الحمدللہ یہ تجربہ بہت کامیاب رہا ہے۔ لوگوں نے ہماری توقعات سے بڑھ چڑھ کر بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اس میں شرکت کی۔ شہر کے بعض معروف فزیشن' سرجن' پروفیسر' وکلاء اور تاجر حضرات کے علاوہ عام پڑھے لکھے لوگوں کی ایک بڑی تعداد غایت درجے کے دلی اشتیاق اور پابندی کے ساتھ اس میں مستقل طور پر شریک رہی۔ اور اکثر ایسا ہوتا تھا' خاص طور پر آخری عشرے میں کہ بلا مبالغہ جامع القرآن کے وسیع و عریض ہال میں اور پھر صحن میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی اور کچھ حضرات کو واپس جانے پر مجبور ہونا پڑتا تھا۔ ہماری معلومات کی حد تک اس طرح ہر چار رکعات تراویح سے قبل ان رکعتوں میں پڑھے جانے والے قرآن کے مکمل حصے کے ترجمے کا مختصر تشریح و توضیح کے ساتھ بیان' برصغیر پاک و ہند میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا اور اس کی سعادت قسام ازل نے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نصیب میں رکھی تھی[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ اس فضل و احسان پر ہم اللہ تعالیٰ کا کماحقہ شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں۔

اس سال کے رمضان المبارک میں دورۂ ترجمہ قرآن کے لئے کراچی کے احباب کا اصرار تھا کہ اسے کراچی میں رکھا جائے۔ خود میری بھی خواہش تھی کہ اس کام کو اہل کراچی سے متعارف کرایا جائے۔ اس ضمن میں فاران کلب کے ارباب حل و عقد نے جگہ اور دوسرے انتظامات کی پیش کش کی تھی' لیکن جگہ وسعت کے لحاظ سے ناکافی سمجھی گئی۔ اس کے بعد اس جامع مسجد ناظم آباد نمبر ۵ کے منتظمین اور محترم خطیب صاحب سے رجوع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر سے نوازے کہ انہوں نے بڑی خوشی سے مسجد کا اوپر والا ہال جس میں ہم اس وقت بیٹھے ہیں' اس کام کے لئے عنایت فرما دیا۔ اور دیگر ضروریات فراہم کرنے کے سلسلہ میں بھرپور تعاون کیا۔ اس مسجد میں جو سات آٹھ حفاظ تراویح میں قرآن مجید سنائیں گے۔ ان کے لئے گراؤنڈ فلور پر انتظام ہے اور کسی جگہ بھی لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں ہو گا تاکہ ہمارے اس پروگرام میں خلل واقع نہ ہو..... اللہ تعالیٰ ان حضرات کے اس بیش بہا دینی تعاون

---

[1] لاہور کے پہلے دورۂ ترجمہ قرآن کی تفصیلی روداد اگست ۸۴ء کے ماہنامہ میثاق میں شائع ہو چکی ہے۔

کو قبول فرمائے۔ دورۂ ترجمہ قرآن کے آغاز سے قبل یہ بہت مناسب موقع ہے کہ ہم رمضان المبارک کے استقبال کے لئے آج وقت صرف کریں تاکہ اس ماہ کی برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کے لئے ہماری کچھ ذہنی تیاری ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے آج کے شرکاء میں ایک چار ورقہ پمفلٹ تقسیم کیا گیا ہے' اس کے صفحہ چار پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خطبہ درج ہے۔ ہم آج تبرک کے طور پر اور رمضان المبارک کی عظمت و افادیت سے واقفیت کے لئے اس خطبہ مبارکہ کا لفظاً مطالعہ کریں گے۔

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ خطبہ حضرت سلمانؓ فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنی کتاب شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ حضرت سلمانؓ فارسی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو ارشاد فرمایا تھا۔

اب آپ چشم تصور سے یہ دیکھئے کہ آج سے چودہ سو برس قبل مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جمع ہیں اور ان کے سامنے رمضان المبارک کے بیان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔

امام بیہقی روایت کرتے ہیں!

عن سلمان الفارسی قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اخر یوم من شعبان فقال..... "حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کی آخری تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ دیا' اس میں ارشاد فرمایا"..... "یایھا الناس فقد اظلکم شھر عظیم ..... "اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے"..... "ظل" سایہ کو کہتے ہیں۔ گویا رمضان کا سایہ شعبان کی آخری تاریخ سے پڑنا شروع ہو جاتا ہے..... شھر مبارک۔ "یہ مہینہ بڑا بابرکت ہے....." شھر فیہ لیلۃ خیر من الف شھر۔ "اس (مبارک) مہینہ میں ایک رات (شب قدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے"..... حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں قرآن مجید کی سورۃ القدر کی طرف اشارہ ہو گیا کہ انا انزلنا فی لیلہ لقدر ○ وما ادراک ما لیلۃ القدر ○ لیلۃ القدر خیر من الف شھر ○ "ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔ اور (اے نبی!) آپ کیا سمجھے کہ شب قدر کیا چیز ہے! (یہ) شب قدر (خیر و برکت میں) ہزار مہینوں سے بہتر ہے"..... خطبہ میں حضورؐ نے آگے ارشاد فرمایا۔ جعل اللہ

صیامہ فریضة و قیام لیلہ تطوعا..... "اللہ نے اس مہینہ کا روزہ رکھنا فرض ٹھہرایا ہے اور اس کی رات میں قیام کرنے (یعنی تراویح) کو نفل قرار دیا ہے"..... اس بات کو میں آگے چل کر وضاحت سے بیان کروں گا کہ نماز تراویح کی کیا اہمیت ہے' اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے' اور پھر یہ کہ رمضان المبارک کی راتوں کے قیام کی اصل روح کیا ہے! اس کا قرآن مجید کے ساتھ ربط و تعلق اور اس کی عظیم ترین افادیت کیا ہے!! البتہ اس وقت پھر نوٹ کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبہ میں الفاظ ہیں! جعل اللہ صیامہ فریضة و قیام لیلہ تطوعا۔ ظاہر بات ہے کہ قیام اللیل تو ہر شب میں نفل ہے اور اس کی بڑی فضیلت ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ مبارکہ سے صاف متبادر ہوتا ہے کہ رمضان المبارک میں قیام الیل کی خصوصی اہمیت و فضیلت ہے۔ اگرچہ فرضیت نہیں ہے' لیکن اللہ کی طرف سے اس کا تطوع اور اس کی مجعولیت ثابت ہے۔ چونکہ دونوں کے ساتھ فعل "جعل اللہ" آیا ہے..... آگے فرمایا۔ من تقرب فیہ بخصلة من الخیر کان کمن ادی فریضہ فیما سواہ۔ "جو کوئی بھی اس مہینہ میں نیکی کا کوئی کام کر کے اللہ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا چاہے گا تو اسے اس کا اجر و ثواب اتنا ملے گا جیسے دوسرے دنوں میں کسی فرض کے ادا کرنے پر ملے گا۔" یعنی مسنون و نفلی نیکی اس ماہ مبارک میں اجر و ثواب کے اعتبار سے عام دنوں کے فرض عبادت کی ادائیگی کے مساوی ہو جائے گی..... اور ومن ادی فریضة فیہ کان کمن ادی سبعین فریضہ فیما سواہ۔ "اور جو کوئی اس مہینہ میں فرض ادا کرتا ہے تو اس کو دوسرے زمانہ کے ستر فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا"..... گویا اگر ہم اس ماہ مبارک میں ایک فرض نماز ادا کرتے ہیں تو غیر رمضان کی ادا کردہ ستر فرض نمازیں ادا کرنے کے برابر ثواب پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں..... آگے فرمایا۔ وھو شھر الصبر والصبر ثوابہ الجنہ۔ "اور یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا اجر و ثواب جنت ہے۔" اس مہینہ میں ایک بندۂ مومن بھوک پیاس برداشت کرتا ہے' جائز طریقہ سے اپنے جنسی جذبہ کی تسکین سے بھی اجتناب کرتا ہے' لوگوں کی کڑوی کسیلی اور ناخوشگوار باتوں پر خاموشی اختیار کرتا ہے' غیبت و زور سے بچتا ہے۔ یہ تمام کام اور اسی نوع کے نواہی سے بچنا سب صبر کے مفہوم میں شامل ہیں' اور اس صبر کا بدلہ جنت ہے۔ حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں جہاں بشارت ہے وہاں بڑی فصاحت و بلاغت ہے..... آگے فرمایا۔ و شھر المواساة "اور یہ آپس کی

ہمدردی اور دمسازی کا مہینہ ہے" ..... اس لئے کہ جس کسی کو کبھی بھوک پیاس کا تجربہ نہیں ہوتا تو اسے اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ کسی بھوکے پیاسے انسان پر کیا بیتتی ہے۔ اس مہینہ میں اسے بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ بھوک کسے کہتے ہیں اور پیاس کیا ہوتی ہے! اس طرح یقیناً دل میں انسانی ہمدردی کا ایک جذبہ بیدار ہوتا ہے..... آگے فرمایا۔ وشهر يزاد فيه رزق المومن - "اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن کے رزق میں اضافہ ہوتا ہے۔" اس میں برکت ہوتی ہے۔ آگے ارشاد ہوا۔ من فطّرفيه صائما كان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار۔ "جو کوئی اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) افطار کرائے گا' اس کے لئے اس کے گناہوں کی مغفرت بھی ہوگی اور اس کی گردن کا آتش دوزخ سے چھٹکارا پا لینا بھی ہو گا" .....

آگے فرمایا۔ وكان له مثل اجره - "اور اسے اس روزہ دار کے برابر اجر و ثواب بھی ملے گا"۔ من غير ان ينتقصُ من اجره شيي - "بغیر اس کے کہ اس (افطار کرنے والے روزے دار) کے اجر میں سے کوئی بھی کمی کی جائے" ..... آپ حضرات کو معلوم ہو گا کہ حضرت سلمان فارسی رضؓ ان فقراء صحابہ کرام رضؓ میں سے تھے جن کے پاس اموال و اسباب دنیوی نہ ہونے کے برابر تھے اور جن پر عام دنوں میں بھی فاقے پڑتے تھے۔ ان اصحاب رضؓ کو اتنی مقدرت کہاں حاصل تھی کہ وہ کسی روزہ دار کو افطار کرا سکتے۔ چنانچہ اسی حدیث شریف میں آگے آتا ہے کہ۔ قلنا يا رسول الله ليس كلنا يجد ما يفطر به الصائم" ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہر ایک کو تو روزہ دار کا روزہ افطار کرانے کی استطاعت نہیں ہے (تو کیا ہم اس اجر و ثواب سے محروم رہیں گے؟") ۔ حضرت سلمان فارسی رضؓ کی اس بات پر حضورؐ نے جو جواب ارشاد فرمایا اسے حضرت سلمان فارسیؓ آگے بیان کرتے ہیں کہ۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطى الله هذا الثواب من فطر صائما على مذقة لبن او شربة من ماء - "تو رسول اللہؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا" یہ ثواب اللہ تعالیٰ اس شخص کو بھی عطا فرمائے گا جو دودھ کی تھوڑی سی لسی پر یا صرف پانی کے ایک گھونٹ ہی پر کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے گا" ..... یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ ہمارے یہاں اس دور میں کھانے پینے کی اشیاء کی جو افراط ہے اس وقت اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس وقت اگر فقراء صحابہ کرام رضؓ میں سے کسی کو افطار کے لئے

کہیں سے کچھ دودھ مل جاتا تھا تو وہ اس میں پانی ملا کر لسی بنالیا کرتے تھے۔ اور کوئی رفیق ایسا بھی ہو جسے یہ بھی میسر نہیں تو اگر وہ اسے اس لسی میں شریک کر لے تو اس وقت کے حالات میں یہ بھی بہت بڑا ایثار تھا۔ ہم کو آج کھانے پینے کی جو فراوانی ہے اس کے پیش نظر ہم حضورؐ کے اس ارشادِ مبارک کی حکمت کو صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب کہ ان فقرائے صحابہ کرامؓ پر کئی کئی دن کے فاقے پڑتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا یہ حال ہوتا تھا کہ کئی کئی دن کے فاقے سے مجھ پر غشی طاری ہو جاتی تھی' لوگ یہ سمجھتے تھے شاید مجھ پر مرگی کا دورہ پڑا ہے اور لوگ آکر اپنے پاؤں سے میری گردن دباتے تھے۔ شاید اس دور میں یہ بھی مرگی کا علاج سمجھا جاتا ہو..... پھر یہ کہ وہاں پانی کے بھی لالے تھے' پانی بھی بڑی قیمتی شے تھا۔ بڑی دور سے اسے کنوئیں سے کھینچ کر لانا پڑتا تھا۔ ماحول کے اس تناظر میں سمجھئے کہ حضورؐ کے ارشاد مبارک کا اصل منشاء و مدعا کس نوع کے ایثار و قربانی کے جذبے کو پیدا کرنے کی طرف تھا کہ لوگ اپنی ذات اور اپنی ضروریات کے مقابلے میں اپنے کمزور بھائیوں کی ذات اور ان کی ضروریات کا زیادہ خیال رکھیں۔ یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے..... یہاں ایک ضمنی بات یہ سمجھ لیجئے کہ جدید دور کی عربی میں لبن دہی کو اور حلیب دودھ کو کہا جاتا ہے۔ آگے چلئے حضورؐ کے ارشاد کا سلسلہ جاری ہے' حضورؐ فرماتے ہیں۔ وَمَنْ اَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِي شُرْبَةً لَا يَظْمَاُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ "اور جو کوئی کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا اسے اللہ تعالیٰ میرے حوض (یعنی حوضِ کوثر) سے ایسا سیراب فرمائے گا کہ (میدانِ حشر کے مرحلہ سے لے کر بقیہ تمام مراحل میں) اس کو پیاس ہی نہیں لگے گی تا آنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا"۔ آگے چلئے' ابھی نبیٔ رحمتؐ کا ارشاد مبارک جاری ہے' غور سے سنئے اور پڑھئے' فرمایا حضورؐ نے۔ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهُ رَحْمَةٌ ۔ "اور یہ مہینہ وہ ہے کہ اس کا ابتدائی حصہ یعنی پہلا عشرہ اللہ کی رحمت کا ظہور"۔ وَاَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ ۔ "اور اس کا درمیانی حصہ یعنی دوسرا عشرہ مغفرت خداوندی کا مظہر ہے"۔ وَاٰخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ ۔ "اور اس کا آخری حصہ یعنی تیسرا عشرہ تو گردنوں کو آتشِ دوزخ سے چھڑا لینے کی بشارت اور نوید سے معمور ہے"۔ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهِ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ ۔ "اور جو کوئی اس مہینہ میں غلام و خادم اور زیر دستوں کی مشقت میں تخفیف اور کمی کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے

آتشِ دوزخ سے آزادی عطا فرمائے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ کی روایت کردہ اس حدیث شریف کی رو سے یہ وہ خطبۂ مبارکہ ہے جو نبی اکرمؐ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ارشاد فرمایا۔ اس سے آپ حضرات کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے کس طرح یہ چاہا کہ لوگ اس عظمت والے اور برکت والے مہینہ سے مستفیض و مستفید ہونے کے لئے ذہناً تیار ہو جائیں۔ اس لئے کہ جب تک کسی شخص کو کسی چیز کی حقیقی قدر و قیمت کا شعور نہ ہو' اس وقت تک انسان اس سے صحیح طور پر اور بھرپور استفادہ کر ہی نہیں سکتا۔ اب آیئے سورۃ البقرۃ کے تئیسویں (۲۳) رکوع کی طرف جو چھ آیات پر مشتمل ہے اور میں نے شروع میں اس پورے رکوع کی تلاوت کی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اختصار کے ساتھ ان آیاتِ مبارکہ کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ سب سے پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ روزے کے ساتھ یہ خصوصی معاملہ ہے کہ اس سے متعلقہ مضامین، تمام احکام اور اس کی ساری حکمتیں قرآن مجید میں اس مقام پر یکجا ہو کر آگئی ہیں۔ اس کا اولین حکم کیا تھا! ابتدائی رعایتیں کیا تھیں! آخری حکم کیا آیا! کتنی رعایتیں برقرار ہیں! کون سی رعایت ساقط ہو گئی! روزے کے تفصیلی احکام کیا ہیں! روزے کی حکمت کیا ہے! روزے کا دعاء سے کیا ربط و تعلق ہے! روزے کی عبادت رزقِ حلال سے کس طور پر مربوط و متعلق ہے! روزے کی عبادت کے لئے ماہِ رمضان المبارک کا انتخاب کیوں ہوا! پھر اس رمضان المبارک کی مناسبت سے صوم کے ساتھ اضافی پروگرام کیا ہے! اور اس طرح جو دو آتشہ اور نورٌ علیٰ نور پروگرام بنتا ہے اس کا حاصل کیا ہے! یہ تمام مضامین اور موضوعات اس مقام پر چھ آیات میں آگئے ہیں۔

آپ کے علم میں ہے کہ نماز جو ارکانِ اسلام کی رکنِ رکین ہے' جسے حضورؐ نے عماد الدّین اور قرۃ عینی فرمایا ہے' اس کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ آپ کو نماز کا ذکر قرآن مجید میں متفرق مقامات پر منتشر ملے گا۔ ارکانِ نماز قیام رکوع سجدے کا ذکر بھی ترتیب سے کسی ایک جگہ نہیں ملے گا۔ بلکہ بعض جگہوں میں ترتیب میں بھی فرق ہو گا۔ پھر وضو اور تیمم کا ذکر کہیں اور ہو گا۔ اوقات نماز کا بیان متعدد اسالیب سے مختلف سورتوں اور آیتوں میں اشارات و کنایات میں ملے گا۔ صلوٰۃِ خوف کا ذکر کہیں اور ملے گا۔ الغرض نماز کے متعلق ساری باتیں آپ کو کہیں ایک جگہ نہیں ملیں گی۔ پھر صلوٰۃ کے ساتھ ایتائے زکوٰۃ کا ذکر آپ کو قرآن مجید میں کثرت سے مختلف مقامات پر نظر آئے گا۔ لیکن زکوٰۃ کا نصاب، مقادیر کا تعیّن اور ادائیگی کی مدّت کا

ذکر پورے قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے۔ اس کے جملہ تفصیلی احکام ہمیں سنت و حدیث شریف میں ملیں گے۔ اسی طرح سے حج کا معاملہ ہے۔ سورۃ البقرۃ کے دو رکوع اور سورۃ الحج کے دو رکوع تو وہ ہیں، جن میں قدرے تفصیل سے مناسکِ حج کا ذکر ہے۔ پھر سورۂ آل عمران میں حج کی فرضیت بیان ہوئی ہے۔ سورۃ البقرہ کے انیسویں (۱۹) رکوع میں سعی بین الصفا والمروۃ کا ذکر ہے۔ تو حج کا ذکر بھی قرآن مجید میں آپ کو کم از کم چار جگہ ملے گا۔ لیکن صوم یعنی روزے کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کوئی ہمت کر کے ان چھ آیات کو سمجھ لے تو گویا ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن یعنی صوم کے بارے میں جو کچھ قرآن حکیم میں آیا ہے، اس کا علم اسے حاصل ہو جائے گا۔ تو یہ ہے صوم کا خصوصی معاملہ۔ اس پر آپ اپنی توجہات کو مرتکز رکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز آپ محسوس کریں گے کہ بہت بڑی دولت کا خزانہ ہاتھ آیا ہے۔ ابتداء ہی میں یہ بات بھی جان لیجئے کہ ان آیات میں ایک بہت بڑا تفسیری اشکال ہے۔ یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے ضمن میں مختلف تفسیری آراء ہیں۔ ان میں سے جس رائے پر میرا دل ٹھکا ہے، وہ سلف میں بھی موجود ہے اور خلف میں بھی موجود ہے، لیکن متداولہ اُردو تفاسیر میں عام طور پر اس کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا وہ رائے نگاہوں سے اوجھل ہے۔ وہی بات اس وقت میں آپ کے سامنے رکھوں گا، لیکن اس کے لئے تمام دلائل دینا اس وقت ممکن نہیں ہو گا چونکہ اس وقت ان آیات کا مفصّل درس پیشِ نظر نہیں ہے۔ وہ رائے یہ ہے کہ اس رکوع کی جو پہلی دو آیات ہیں یہ رمضان کے روزے سے متعلق نہیں ہیں بلکہ ابتداء میں جب نبی اکرمؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے مسلمانوں کو ہر مہینے میں ایامِ بیض کے تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ ایامِ بیض سے مراد ہیں روشن راتوں والے دن، یعنی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں راتوں سے ملحق دن۔ ان تین دنوں کے روزوں سے متعلق ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کے طور پر ان دو آیات میں آ گئی۔ یہ ایک رائے ہے اور میں اسے ہی بیان کر رہا ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ دوسری آراء بھی ہیں۔ لیکن میرا دل اسی پر مطمئن ہوا ہے۔ اس موقع پر میں آپ کو بتا تا چلوں کہ جب میں میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا اُس وقت اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں قرآن مجید کے غور و تدبّر کے ساتھ مطالعہ کی رغبت پیدا فرمائی تو اسی مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجہ میں ان دو آیات کے متعلق وجدانی طور پر میری یہ رائے بن گئی تھی کہ ان کا تعلق ایامِ بیض کے تین روزوں سے ہے۔ جن کا اہتمام دورِ نبوی سے تا حال نفلی روزوں کی حیثیت سے چلا آ رہا ہے۔ لیکن اس وقت جو بھی

اردو تفاسیر میرے زیر مطالعہ رہتی تھیں' ان میں مجھے یہ رائے نہیں مل رہی تھی۔
اچانک ایک روز میری نظر سے ماہنامہ زندگی رامپور (بھارت) میں (جو جماعت اسلامی ہند کا ترجمان تھا) ایک مضمون گزرا جس میں ایک صاحب نے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی اس رائے پر تنقید کی تھی کہ سورۃ البقرۃ کی آیات نمبر ۱۸۳۔ ۱۸۴ (یعنی تیئسویں (۲۳) رکوع کی پہلی دو آیات) کا تعلق رمضان المبارک کے روزوں سے نہیں' بلکہ ایام بیض کے تین روزوں کی فرضیت سے ہے جو ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد نفل کے طور پر رہ گئے ہیں۔ یہی رائے میری تھی۔ تو مجھے اس مضمون سے تقویت حاصل ہو گئی کہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ جن کو بیہقیٔ وقت کہا گیا ہے کی بھی یہی رائے ہے..... امام بیہقیؒ کا شمار اپنے دور کے ائمۂ محدثین میں ہوتا ہے۔ لہٰذا میرے لئے "متفق گردید رائے بو علی بارائے من" والا معاملہ ہو گیا۔ اس طرح بڑی مضبوط دلیل میرے ہاتھ آ گئی۔ اگرچہ مضمون نگار نے حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے پر تنقید کی تھی کہ بڑی بودی' کچی اور بے بنیاد بات ہے جو شاہ صاحبؒ نے کہہ دی' لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ مجھے اپنی وجدانی رائے کی تائید میں حضرت شاہ صاحبؒ کے حوالہ سے ایک دلیل مل گئی۔ اس کے کافی عرصہ کے بعد جب میں نے امام فخرالدین رازیؒ کی تفسیر "تفسیر کبیر" کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ انہوں نے بہت سے ان تابعینؒ کے ناموں کے حوالے سے جو مفسرینِ قرآن کی حیثیت سے مشہور ہیں' اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ ان دو آیات (۱۸۳۔ ۱۸۴) کا تعلق ان تین دن کے روزوں کی فرضیت کے حکم سے ہے جو اب ایام بیض کے نفلی روزے کہلاتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ رائے سلف میں بھی موجود تھی اور ہمارے اس دور میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ جیسے جید عالم' محدث' مفسر اور فقیہہ کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ مجھے اس رائے کو بیان کرنے میں اب کوئی باک نہیں رہا۔ اور اب میں اسے اعتماد کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان آیات کا تعلق ماہ رمضان کے روزوں سے نہیں ہے بلکہ ان تین دن کے روزوں سے ہے جن کی ہدایت نبی اکرمؐ نے دی تھی۔ اس میں چند رعایتیں بھی رکھی گئی تھیں۔ ایک یہ کہ اگر ان تین دنوں میں بیمار ہو تو کوئی سے اور تین دنوں میں رکھ لو۔ اگر تم سفر پر ہو' تو بعد میں ان کی قضا ادا کر سکتے ہو۔ ایک رعایت مزید تھی۔ اور اس کا تعلق اسلام کی حکمت تشریعی سے ہے کہ لوگوں کو تدریجاً خوگر بنایا گیا ہے اور چونکہ اہل عرب روزے سے واقف ہی نہیں تھے' صوم کی عبادت جانتے ہی نہیں تھے۔ حضرت

ابراہیمؑ کی طرف منسوب کر کے وہ جن روایات کی پابندی کرتے تھے اور جسے وہ دینِ حنیف کہتے تھے' اس میں روزہ نہیں تھا۔ لہٰذا اس روزہ سے مانوس کرنے کے لئے ابتداء میں یہ رعایت بھی رکھی گئی کہ اگر تم صحت مند ہونے کے باوجود اور مقیم ہونے کے باوصف روزہ نہ رکھو تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دو' یہ اس کا فدیہ بن جائے گا۔ اس کے بعد جب رمضان کے روزے والی آیت (آیت نمبر ۱۸۵) نازل ہوئی تو پہلی دو رعایتیں تو علیٰ حالہٖ برقرار رہیں کہ اگر کبھی بیمار ہو یا مسافر ہو تو قضا کر سکتے ہو'۔ تعداد بعد میں پوری کر لو..... لیکن وہ جو تیسری مزید رعایت فدیہ ادا کرنے کی تھی' وہ ساقط ہو گئی۔

اس کے بارے میں امام رازیؒ نے یوں لکھا ہے' یہ فقہی اصطلاحات ہیں کہ پہلے روزے کا وجوب "علی التخییر" تھا کہ تمہیں اختیار ہے کہ روزہ رکھو یا اس کے فدیہ کے طور پر ایک مسکین کو کھانا کھلا دو۔ اب "علی التعیین" ہو گیا کہ معیّن روزہ لازم ہے' فرض ہے جو ہر مسلمان کو رکھنا ہو گا۔ یہ ہے اصل میں تین آیات (آیات ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵) میں ربط کی ایک شکل۔ جس کے متعلق میں نے عرض کیا کہ سلف میں بھی یہ رائے موجود ہے اور ہمارے دور میں حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ آگے ارشاد فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ - "اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا"۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ عام طور پر "صیام" کا ترجمہ "روزے" کر دیا جاتا ہے" یعنی جمع کے صیغہ میں جو درست نہیں ہے۔ صیام دراصل صوم کی جمع نہیں ہے' بلکہ مصدر ہے۔ صَامَ- یَصُوْمُ - صَوْمًا وصیاماً..... صوم اور صیام دونوں مصدر ہیں۔ جیسے قام' یقوم قیاماً۔ میں قیام مصدر ہے۔

عربوں کے یہاں صوم یا صیام کے لفظ کا اطلاق اور مفہوم کیا تھا اور اس سے وہ کیا مراد لیتے تھے اب ذرا اسے بھی سمجھ لیجئے۔ عرب خود تو روزہ نہیں رکھتے تھے' البتہ اپنے گھوڑوں کو رکھواتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر عربوں کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ پھر مختلف قبائل کے مابین وقفہ وقفہ سے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ان کاموں کے لئے ان کو گھوڑوں کی ضرورت تھی اور گھوڑا اس مقصد کے لئے نہایت قیمتی جانور تھا کہ اس پر بیٹھ کر تیزی سے جائیں' لوٹ مار کریں' شب خون ماریں اور تیزی سے واپس آ جائیں" اونٹ تیز رفتار جانور نہیں ہے۔ پھر وہ گھوڑے کے مقابلہ میں تیزی سے اپنا رخ بھی نہیں پھیر سکتا۔ مگر گھوڑا جہاں تیز رفتار جانور ہے' وہاں تنک مزاج اور نازک مزاج بھی ہے۔ چنانچہ وہ تربیت کے لئے ان گھوڑوں

سے یہ مشقت کراتے تھے کہ ان کو بھوکا پیاسا رکھتے تھے۔ ان کے منہ پر ایک توبڑا چڑھا دیتے تھے اس عمل کو وہ صوم کہتے تھے اور جس گھوڑے پر یہ عمل کیا جائے اسے وہ صائم کہتے تھے' یعنی یہ روزہ سے ہے۔ اس طرح وہ گھوڑوں کو بھوک پیاس جھیلنے کا عادی بناتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گھوڑا بھوک پیاس برداشت نہ کر سکے اور جی ہار دے اس طرح تو سوار کی جان شدید خطرہ میں پڑ جائے گی اور اسے تو زندگی کے لالے پڑ جائیں گے۔ مزید یہ کہ عرب اس طور پر گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر موسم گرما اور لُو کی حالت میں انہیں لے کر میدان میں جا کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اپنی حفاظت کے لئے اپنے سروں پر ڈھاٹے باندھ کر اور جسم پر کپڑے وغیرہ لپیٹ کر ان گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار رہتے تھے اور ان گھوڑوں کا منہ سیدھا لُو اور بادِ صرصر کے تھپیڑوں کی طرف رکھتے تھے تاکہ ان کے اندر بھوک پیاس کے ساتھ لُو کے ان تھپیڑوں کو برداشت کرنے کی عادت پڑ جائے۔ تاکہ کسی ڈاکے کی مہم یا قبائلی جنگ کے موقع پر گھوڑا سوار کے قابو میں رہے اور بھوک پیاس یا بادِ صرصر کے تھپیڑوں کو برداشت کر کے سوار کی مرضی کے مطابق مطلوبہ رخ برقرار رکھے اور اس سے منہ نہ پھیرے۔ تو عرب اپنے گھوڑوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر جو مشقت کراتے تھے اور جس پر وہ صوم کے لفظ یعنی روزہ کا اطلاق کرتے تھے' اس مشق کے متعلق گویا اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے گھوڑوں کو تم جو روزہ رکھواتے ہو' وہ تم خود بھی رکھو۔ تم پر بھی یہ فرض کر دیا گیا ـــــ ساتھ ہی فرمایا۔ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ۔ "تم سے پہلے جو امتیں تھیں' جیسے ان پر روزہ فرض کیا گیا تھا ویسے ہی تم پر بھی فرض کیا گیا ہے"۔ چونکہ عرب کے لوگ روزے کے عادی نہیں تھے تو پہلی بات سمجھانے کے انداز میں یہ فرمائی گئی کہ یہ تمہارے لئے نیا حکم ہے' کوئی نئی مشقت نہیں ہے۔ یہ حکم پہلی امتوں کو بھی مل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا فرضیت کے لحاظ سے ہے۔ ظاہر بات ہے کہ تعداد' زمانہ اور آداب و شرائط کے اعتبار سے نہیں ہو سکتا چونکہ یہ بات ہم کو معلوم ہے کہ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور سابقہ انبیاء ورسل کی شرائع میں فرق رہا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ تمہیں اس مشقت و تکلیف میں ڈال کر اللہ تعالیٰ کو کوئی مسرت حاصل نہیں ہوتی' معاذ اللہ! اس میں تمہارے لئے مصلحت ہے۔ اور وہ کیا ہے! لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ "تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے"۔ گویا روزے کی مصلحت ہے تقویٰ۔ تقویٰ کے معنی اور مفہوم کو جان لینے سے یہ مصلحت اور حکمت بڑی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی۔ "تقویٰ" کے معنی ہیں بچنا۔ قرآنِ مجید نے اس میں اصطلاحی مفاہیم پیدا کئے یعنی اللہ کے

احکام کو توڑنے سے بچنا ' حرام سے بچنا ' معصیت سے بچنا ' یہ تقویٰ ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے نفس کے بہت سے تقاضے ہیں۔ مثلاً پیٹ کھانے کو مانگتا ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی حلال چیز کھانے کو نہیں ہے تو اگر کوئی مسلمان اس بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو جائے تو حرام میں منہ مار بیٹھے گا۔ لہٰذا اس میں یہ عادت ڈالی جائے کہ آخری حد تک بھوک پر قابو پانے میں کامیاب رہے۔ اسی طرح پیاس کو کنٹرول میں لائے ' شہوت کو کنٹرول میں رکھے۔ ساتھ ہی نفس کی ان خواہشات پر قابو پانے کی مشق حاصل ہو جو دین کے منافی ہوں۔ لہٰذا طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور تعلّقِ زن و شو سے کنارہ کش ہونے کی جو مشق کرائی جاتی ہے۔ اس کا مفاد ہے ضبطِ نفس ـــ ایک بندۂ مومن کو اپنے نفس کے منہ زور گھوڑے کے تقاضوں پر قابو پانے اور کنٹرول میں رکھنے کی مشق ہو جائے اور عادت پیدا ہو جائے۔ یہ ساری گفتگو خاص طور پر پورے ماہِ رمضان المبارک سے متعلق ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری تقویم قمری ہے جس کے نویں مہینے کو رمضان کہا جاتا ہے۔ ہر برس قمری اور شمسی سال میں دس گیارہ دن کا فرق واقع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ قمری مہینوں اور شمسی مہینوں کے موسموں میں مطابقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا قمری تقویم کے مطابق گھوم پھر کر رمضان کا مہینہ سال کے ہر موسم میں آتا رہتا ہے۔ مئی سے جولائی تک ہمارے ملک کے اکثر و بیشتر علاقوں میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ ایسے گرم موسم میں پیاس سے حلق میں جو کانٹے چبھتے ہیں اس کا عملی تجربہ خاص طور پر روزہ رکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

لیکن چاہے سامنے بہترین مشروبات موجود ہوں۔ اگر آپ روزے سے ہیں تو ان کو پی نہیں سکتے۔ اس لئے کہ اللہ کی اجازت نہیں ہے۔ کھانے کی مرغوب چیزیں موجود ہیں لیکن آپ بھوک اور نقاہت کے باوجود نہیں کھا سکتے۔ کیوں ؟ اس لئے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے بیوی موجود ہے۔ دن میں اپنی شہوت کو جائز طور پر پورا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن نہیں کرتے ' کیوں ؟ اس لئے کہ اللہ نے ممانعت کر رکھی ہے۔ اب سوچئے کہ ایک مقررہ وقت سے لے کر ایک مقررہ وقت تک آپ اگر اللہ کی حلال کردہ چیزیں پورے تیس دن اس لئے استعمال نہیں کر رہے کہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی تو اس سے آپ کے اندر ایک مضبوط قوتِ ارادی کے ساتھ یہ استطاعت اور استعداد پیدا ہونی چاہئے کہ بقیہ گیارہ مہینوں میں بھی تقویٰ کی روش پر مستقیم رہیں۔ لہٰذا پورے رمضان کے روزے دراصل تقویٰ کی مشق ہے۔ صوم کی فرضیت کے ساتھ " لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ " ایک چھوٹا سا فقرہ ہے ' لیکن غور و تدبّر کیا جائے تو یہ دو لفظی جملہ بڑا ہی پیارا '

نہایت عجیب اور بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اس کے اندر روزے کی ساری ظاہری و باطنی اور انفرادی و اجتماعی فضیلتیں آ گئیں۔ اور یہ بات روزِ روشن کی طرح مبرہن ہو گئی کہ روزے کا مقصود حصولِ تقویٰ ہے' بالخصوص نفس کا تقویٰ...... یعنی اللہ کی محبت کے شوق اور اللہ کی نافرمانی کی سزا کے خوف سے اللہ کے اوامر و نواہی پر استقلال کے ساتھ مستقیم رہنے کے لئے اپنے نفسِ امّارہ کو قابو میں رکھنے کی تربیت اور ٹریننگ حاصل کرنا۔ اس کے لئے ہمارے دین کی معروف و جامع اصطلاح ہے "تزکیہ"۔

بات سمجھانے کے لئے اگر دورِ جدید کے مشہور ماہر نفسیات فرائڈ کی اصطلاحات استعمال کروں تو وہ یوں ہو گا کہ اپنی ' IDD' یا ' LIBIDO' کو کنٹرول میں رکھنے کی مشق۔ فرائڈ نے کہا ہے کہ انسانی شخصیت کی تین سطحیں ہیں۔ سب سے نچلی سطح کے لئے وہ ' IDD' یا ' LIBIDO' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ یعنی شہوانی' نفسانی اور حیوانی تقاضے اور داعیات...... دوسرے ' EGO' یعنی مَیں' انا' انانیت یا خودی...... تیسرے ' SUPER EGO' یعنی انائے کبیر' اس سے اس کی مراد اعلیٰ اخلاقی اقدار ہیں۔ اگر خودی کمزور ہے تو گویا انسان اپنے حیوانی نفس کا تابع ہے اور اگر خودی مضبوط ہے تو یہ ضبطِ نفس کا کام کرے گی۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اگر آپ گھوڑے پر سوار ہیں اور باگیں کمزور ہیں تو گھوڑا آپ پر حاوی ہے...... وہ جب چاہے گا آپ کو پٹخ دے گا یا آپ کو اپنی مرضی سے جدھر چاہے گا لے جائے گا۔ اور اگر آپ قوی ہیں اور گھوڑے پر قابو یافتہ ہیں تو یہ گھوڑا آپ کا مطیع ہے۔ آپ جدھر جانا چاہیں گے وہ آپ کو لے جائے گا۔ تو جس طریقہ سے راکب اور مرکب کا معاملہ ہے۔ یعنی انسان جو گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑا جو انسان کی سواری ہے' اسی طرح ہماری خودی اور ہمارے نفس کا معاملہ ہے۔ ہماری خودی راکب ہے اور نفس اس کا مرکب۔ خودی کمزور ہو گی تو نفس کے بس میں آ جائے گی۔ نفس جو چاہے گا حکم دے گا اور پورا کرا لے گا۔ گویا ہم اس کے تابع ہیں اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں...... اگر خودی مضبوط ہے' انا مضبوط ہے اور نفس پر قابو یافتہ ہے تو یہ نفس انسان کے لئے نیکیاں' بھلائیاں اور خیر کمانے کا ذریعہ بن جاتا ہے...... اب یہاں ایک بات کا اور اضافہ کر لیجئے کہ غیبت' جھوٹ' فحش باتیں' بدزبانی اور دل آزاری وغیرہ قسم کے گناہوں سے بچنے کی قرآن و حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے۔ لیکن حدیث شریف میں خاص طور پر روزے کی حالت میں ان گناہوں سے بچنے کی مزید سخت تاکید آئی ہے کہ اگر روزے دار نے ان گناہوں سے اجتناب نہیں کیا تو اس روزے

سے فاقے اور رات کے قیام میں محض رت جگے کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا.....
اس کے ضمن میں چند احادیث شریفہ میں انشاء اللہ آگے بیان کروں گا۔

اب پھر متن کی طرف رجوع کیجئے۔ پہلی آیت واضح ہو گئی۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

اے اہلِ ایمان! تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں (امتوں) پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تم متقی بن جاؤ۔ اب اگلی آیت اسی کے ساتھ ہے گویا اسی کا ضمیمہ یا اسی کی تشریح ہے اس میں تمہید ہے کہ گھبراتے کیوں ہو؟

"گنتی کے چند دن ہی تو ہیں!" میں نے ترجمہ میں جو انداز اختیار کیا ہے' وہ اس لئے کہ یہاں جو لفظ "معدودات" آیا ہے' تو اس وزن پر جمع قلت آتی ہے اور جمع قلّت کا اطلاق نو سے کم پر ہوتا ہے۔ اس سے بھی یہ دلیل ملتی ہے کہ یہ یقیناً ایّامِ بیض کے تین روزوں سے متعلق ابتدائی حکم ہے۔ انتیس یا تیس دن کے روزے تو "ایّام معدودات" شمار نہیں ہو سکتے۔ ان کو گنتی کے دن تو نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ یہ بھی درحقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ وہی رائے قوی ہے کہ ابتدا میں جو تین دن کے روزے فرض کئے گئے تو وہ انسان کے نفس پر اتنے بھاری گزرنے والے نہیں تھے' لہٰذا ہمت دلانے' ڈھارس بندھانے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ "گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔" پھر اس میں مزید رعایت بیان فرمائی۔ "فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ" "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ تعداد پوری کر لے دوسرے دنوں میں۔" آگے فرمایا۔ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ..... "اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں (پھر نہ رکھیں) تو ان کے ذمہ (ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔" اس رعایت کا تعلق بھی ایّامِ بیض کے روزوں سے تھا۔ آگے تشویق دلائی۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ "پھر جو اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کمائے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔" اس کے معنی یہ ہوئے کہ روزہ بھی رکھو اور ایک مسکین کو کھانا بھی کھلاؤ تو کیا کہنے! یہ نورٌ علیٰ نور والا معاملہ ہو گا۔ آگے ارشاد ہوا۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ "اور اگر تم روزہ رکھو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ سے کام لو"۔ اس سے بھی یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ رعایت خصوصی ہے ورنہ پسندیدہ یہی ہے کہ

ایک مسکین کو روزے کے فدیہ کے طور پر کھانا کھلانے کی بجائے خود روزہ رکھو۔ چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تم کو رعایت تو دی ہے لیکن اگر تم سمجھ سے کام لو تو تم خود جان لو گے کہ روزے میں کتنی حکمت ہے، کتنی مصلحت ہے، کتنی برکت ہے۔ اس کی کیا عظمت ہے اور اس کے کیا فائدے ہیں۔ تو اگر تم یہ سب باتیں سمجھ لو گے تو یقیناً تم روزہ ہی رکھو گے..... میرا جو کچھ بھی تھوڑا بہت مطالعہ اور غور و فکر کا معاملہ ہے تو میرے نزدیک ان حضرات کی رائے قوی ہے جو ان دو آیات کو ابتدائی طور پر فرض ہونے والے ایامِ بیض کے تین روزوں سے متعلق قرار دیتے ہیں۔ ان آیات میں صوم رمضان کا حکم نہیں ہے۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بعد میں آیا ہے، جس کے بعد ایامِ بیض کے روزے نفل کے درجے میں رہ گئے۔

اب آگے اس نوع کی تیسری آیت آتی ہے جو کچھ عرصہ کے بعد نازل ہوئی، لیکن مضمون کی مناسبت سے اس کو اور بقیہ تین آیات کو اسی مقام پر شامل کر دیا گیا جیسے سورۃ المزمّل کے متعلق قرآن مجید کا ہر قاری جانتا ہے کہ یہ مکی سورت ہے، لیکن اس کا دوسرا رکوع جو صرف ایک آیت پر مشتمل ہے، وہ بعد میں مدنی دور میں نازل ہوا ہے۔ اور مضمون کی مناسبت سے یہ آخری آیت سورۃ المزمّل کے ساتھ رکھ دی گئی ہے۔ اسی طریقے سے یہاں زمانی اعتبار سے اگلی آیت اور پچھلی دو آیات میں بُعد ہے لیکن، جیسا میں نے ابھی عرض کیا کہ موضوع کی مناسبت سے اُسے پہلے حکم کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

اب اگلی آیت کے مطالعہ کی طرف توجّہات کو مبذول فرمایئے، ارشاد ہوتا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔" هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ۔ یعنی لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی بنا کر اور یہ ہدایت و رہنمائی بھی گنجلک، مبہم یا پہیلیوں کے انداز میں نہیں، بلکہ بڑی روشن اور بہت واضح، اور حق و باطل میں فرق و تمیز کر دینے والے کھلے اور مضبوط دلائل کے ساتھ۔ یہ ہیں قرآن حکیم کی متعدد شانوں میں سے تین اہم ترین شانیں جو یہاں بیان ہوئیں کہ یہ صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرنے والی کتاب ہے، یہ الھدیٰ ہے۔ یہ بیّنات پر مشتمل ہے اور یہ الفرقان ہے، حق و باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ آگے فرمایا: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ "پس جو کوئی بھی تم میں سے اس مہینہ میں موجود ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس ماہ کے روزہ رکھے۔" یہاں کلمۂ "فا" دونوں جگہ فرضیت کا فائدہ دے رہا ہے۔ اب یہ صوم رمضان کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں "شہود

الشّہر " کے الفاظ نہایت قابلِ توجّہ ہیں۔ یعنی رمضان کے مہینے کا پالینا۔ یہاں یہ بات جان لیجئے کہ کرۂ ارض پر ایسے منطقے بھی ہیں جہاں چاند شروع مہینہ میں ظاہر ہی نہیں ہوتا۔ جس طرح ایسے خطے بھی ہیں جہاں سورج ہی طلوع نہیں ہوتا یا برائے نام طلوع ہوتا ہے اور وہاں پر گھڑی کے حساب سے نماز ادا کی جاتی ہے۔ لہٰذا وہاں تقویم (جنتری) سے حساب کر کے رمضان کے مہینے کے روزے رکھنے فرض ہوں گے۔ "شہود الشّہر" میں یہ بات شامل ہے۔ یہ اعجازِ قرآنی ہے کہ وہ ایسے الفاظ لاتا ہے، جن سے استدلال کر کے ہر منطقے اور خطے کے مسائل کے لئے حل نکالے جاسکتے ہیں۔

اب ایک اور اہم بات پر غور کیجئے کہ روزوں کے لئے کوئی سا بھی مہینہ چنا جا سکتا تھا۔ روزے جس مہینے میں بھی رکھے جاتے ضبط نفس کی مشق کا مقصد پورا ہو سکتا تھا۔ ان روزوں کے لئے ماہِ رمضان کا انتخاب کیوں ہوا! اس کا جواب شروع ہی میں دے دیا گیا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے، جس میں دن کے روزے کے ساتھ نبی اکرمؐ نے قیام اللیل کو تطوّع اور مجعول من اللہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم حضرت سلمانؓ فارسی کی روایت میں پڑھ آئے ہیں۔ اس روایت کو تو امام بیہقیؒ اپنی کتاب "شعب الایمان" میں لائے ہیں۔ اب ذرا قیام اللیل کی اہمیت کو جاننے کے لئے اُمّت کے دو جلیل القدر آئمۂ حدیث امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی وہ حدیث بھی سن لیجئے جو ان دونوں اماموںؒ نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کتب احادیث میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو مرتبہ و مقام ہے، مجھے اسے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے، چونکہ ہر وہ شخص اس سے ناواقف اور لاعلم نہیں رہ سکتا جو دین سے تھوڑا بہت بھی شغف رکھتا ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (متفق علیہ)

"جس نے روزے رکھے رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ، بخش دیئے گئے اس کے تمام سابقہ گناہ۔ اور جس نے (راتوں کو) قیام کیا رمضان میں ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے گئے اس کے جملہ سابقہ گناہ۔" (بخاری و مسلم)

آپ نے دیکھا صحیحین کی اس حدیث کی رُو سے صیام اور قیام بالکل ہم وزن اور متوازی و مساوی ہوگئے! اس حدیث میں "قام" کا جو لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ میں نے "راتوں کو قیام" کیا ہے تو اس کے لئے بطورِ دلیل میں آپ کو حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سناتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ نے "شعب الایمان" میں روایت کیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ

"روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ (یعنی اس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر اس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سُنے گا!)۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا' آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما (اور اس کے ساتھ مغفرت و رحمت کا معاملہ فرما!)۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا' خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما (اور اس کے ساتھ بخشش اور عنایت کا معاملہ فرما!) چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے لئے جنّت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا!) اور خاص مراحمِ خسروانہ سے اس کو نوازا جائے گا۔"

اس حدیثِ شریفہ سے بات بالکل منقّح اور مبرہن ہوگئی کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی حدیث میں جس قیام کا ذکر ہے' اس سے اصل مراد اور اس کا اصل مدّعا و منشاء یہ ہے کہ رمضان کی راتیں یا ان کا زیادہ سے زیادہ حصّہ قرآن مجید کے ساتھ بسر کیا جائے۔ یقیناً اب آپ لوگ سمجھ لیں گے کہ میری اس رائے کی بنیاد کیا ہے کہ پوری رات قرآن کے ساتھ بسر ہونی چاہئے۔ اس حدیث سے نہ صرف یہ مترشح ہوتا ہے کہ افضل عمل یہ ہے کہ رمضان کی

پوری رات قرآن مجید کے ساتھ گزرے' بلکہ اس حدیث کی رُو سے یہ بات وجوب کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ میں آپ حضرات کو دعوت دیتا ہوں کہ اس حدیثِ شریفہ کے الفاظ پر غور کیجئے۔ صیام و قیام کا ہم وزن اور متوازی معاملہ ہے کہ نہیں؟ روزے میں آپ کتنا وقت گزارتے ہیں' اس نقطۂ نظر سے صیام و قیام کے متوازی الفاظ پر پھر غور کیجئے۔ کیا الفاظ کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ جس طرح دن روزے کی حالت میں گزارا ہے' اُسی طرح رات قرآن کے ساتھ گزاری جائے..... قرآن کی تلاوت قیام یعنی صلوٰۃ کے ساتھ افضل ترین ہے اور بیٹھ کر اس کا مطالعہ بھی بہت بابرکت ہے۔ یہی معاملہ متفق علیہ روایت کا بھی ہے جو میں اس حدیث سے قبل آپ کو سنا چکا ہوں جس میں ایمان و احتساب کے ساتھ صیام و قیام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی ہے۔ پس ان احادیث سے دین کی روح یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر واقعتاً اس ماہِ مبارک کی برکتوں اور عظمتوں سے استفادہ کا عزم اور ارادہ ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ دن کا روزہ ہو اور پوری پوری رات قرآن کے ساتھ بسر ہو۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے یہ نرمی رکھی ہے کہ اسے فرض نہیں کیا۔

شاید آپ کو بھی یہ بات معلوم ہو کہ ہمارے یہاں یہ روایت جاری رہی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ کے متعلق میرے علم میں یہ ہے کہ ان کی حیات میں ان کی خانقاہ میں پورے رمضان المبارک میں تراویح میں دو دو اور تین تین ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ معلوم نہیں ہو سکا کہ اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ وہاں کا معمول یہ نہیں تھا' جس سے ہم واقف اور جس کے ہم عادی ہیں کہ گھنٹہ سوا گھنٹہ میں بیس تراویح اور بعد کے تین وتر پڑھے اور فارغ ہو گئے۔ بلکہ اس خانقاہ میں معمول یہ تھا کہ ہر چار رکعاتِ تراویح کے بعد آدھا آدھا گھنٹہ' پون پون گھنٹہ وقفہ ہوتا تھا۔ جس میں لوگ مختلف اشغال میں مصروف ہو جاتے تھے۔ کچھ لوگ اذکار و اوراد میں لگ جاتے تھے۔ کچھ علیحدہ علیحدہ ٹکڑیوں میں بٹ جاتے تھے جن میں وعظ و نصیحت ہوتی تھی۔ کچھ لوگ قرآن مجید سے جو اگلی چار رکعتوں میں پڑھا جانا ہے' متن کی تلاوت کر رہے ہوتے۔ اس کے بعد پھر کھڑے ہو کر اگلی چار رکعتیں پڑھی جاتیں۔ ہر تراویح کے دوران پورے رمضان میں یہ دستور رہتا تھا اس طرح ساری رات قرآن مجید اور ذکر و وِرد میں گزرتی تھی۔ یہ اس نقشہ پر عمل کی ایک صورت ہے جو ان دو احادیث کے مطالعہ سے سامنے آتا ہے۔ اگر خلوص و اخلاص اور للّٰہیّت کے ساتھ یہ عمل ہو تو جو لوگ یہ کام کریں تو شاید وہ ان بشارتوں کے مستحق بن جائیں جو ان دو حدیثوں میں ہمارے

سامنے آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان خوش بختوں میں شامل فرمائے جن کا ذکر ان احادیث میں ہے۔

اسی مقصد کے حصول کے لئے ہم نے یہ پروگرام بنایا ہے کہ رات کا بڑا حصہ اس عبادت میں صرف ہو اور چونکہ بدقسمتی سے ہماری مادری زبان عربی نہیں ہے لہٰذا ہم نے دورۂ ترجمۂ قرآن کو صلوٰۃ التراویح کے ساتھ ساتھ شامل کیا ہے تاکہ سامعین کا کسی نہ کسی حد تک قرآن مجید کے الفاظ کے معانی کے ساتھ ذہنی ربط قائم ہو سکے۔ اس طرح یہ پروگرام انشاءاللہ دو آتشہ اور نورٌ علیٰ نور کا مصداق بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت اور توفیق دے کہ ہم اس عزم اور ارادے کو پورا کر سکیں اور دعا ہے کہ دن کے صیام اور رات کے قیام کی بدولت اللہ تعالیٰ صیام و قرآن کو قیامت کے دن ہمارا شفیع بنا دے۔

اب پھر آیت نمبر ۱۸۵ کی طرف رجوع کیجئے۔ رمضان کے روزے کے لئے حکم آیا کہ تم میں سے جو بھی اس مہینہ میں موجود ہو وہ لازماً روزہ رکھے۔ اب پورے ماہ کے روزوں کی فرضیت کا حکم آ گیا۔ ایامِ بیض کے روزوں کے لئے جو دو رعایتیں تھیں وہ برقرار ہیں۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْعَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ

"اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر لے"۔

لیکن وہ رعایت جو ایامِ بیض کے حکم کے ساتھ دی گئی تھی کہ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے' اس رعایت کو منسوخ اور ساقط کر دیا گیا۔ البتہ یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ اس رعایت کو قرآن مجید نے منسوخ و ساقط کیا ہے' لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص حالات میں اس کو قائم رکھا ہے' جیسے کوئی شخص بہت بوڑھا ہو گیا ہو اور اب اس میں روزہ رکھنے کی بالکل استطاعت ہی باقی نہ رہی ہو' کوئی دائمی مریض ہو جسے اب شفا کی کوئی توقع ہی نہ رہی ہو۔ مثلاً کوئی ٹی بی کی تھرڈ اسٹیج میں ہے یا کوئی ذیابیطس کا دائمی مریض ہو گیا ہے اور اس کے صحت یاب ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اسی پر ایسے مختلف عوارض و امراض کو قیاس کر لیجئے۔ ایسے لوگوں کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت برقرار رکھی ہے کہ وہ فی روزہ ایک مسکین کو دو وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں۔ کھانے کی جگہ اناج کی مقدار اور چند دوسری شرائط کا بھی تعین کیا گیا ہے۔ الغرض خاص حالات میں اس رعایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی رکھا ہے۔ اہل سنّت کے نزدیک یہ بات اصولاً طے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اختیار ہے کہ آپؐ قرآن کے خاص کو عام اور قرآن کے عام کو خاص کر سکتے

ہیں۔ قرآن کے حکم پر اضافہ فرماسکتے ہیں اور قرآن کے حکم کی تبیین میں مزید حکم دے سکتے ہیں۔ یہ منکرین سنت کی گمراہی ہے کہ وہ حضورؐ کی سنت اور آپؐ کے احکام کو دین میں حجت نہیں مانتے۔ حالانکہ بعض احادیث صحیحہ میں بصراحت آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "یہ نہ سمجھنا کہ کھانے پینے کی صرف وہی چیزیں حرام ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ کچھ اور چیزیں بھی ہیں جن کی حرمت کا میں تمہیں حکم دے رہا ہوں"۔ یا جیسے قرآن مجید میں حکم آیا کہ ایک شخص بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مزید عام کر دیا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ اور بھانجی کو بھی بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا۔ ایسی بے شمار مثالیں ہیں۔ اس وقت میں نے چند مثالیں اس لئے دی ہیں کہ اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ اشکال ہو کہ حضورؐ نے بوڑھوں اور دائمی مریضوں کے لئے رمضان کے روزے کے فدیہ کو برقرار کیسے رکھا' تو وہ اشکال رفع ہو جائے اور یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں شامل ہیں اور ان کا آپؐ کو حق حاصل ہے۔

آگے چلئے' ابھی آیت نمبر ۱۸۵ ہی کا سلسلہ جاری ہے' فرمایا یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ "اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری و سختی اور تنگی نہیں چاہتا"۔ یعنی یہ ساری رعایتیں اور سہولتیں جو بیان ہوئیں اس سے مقصود اللہ کو بندوں کے حق میں آسانیاں فراہم کرنا ہے' نہ کہ دشواریاں' سختیاں اور تنگیاں۔ لہٰذا بیماری یا سفر کی وجہ سے جو روزے قضا ہو جائیں' بعد میں ان کی تکمیل کر لو۔ یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ یہ نیکی اور تقویٰ کا غلط تصوّر ہے کہ ایک سو چار ڈگری کا بخار ہے روزہ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ سفر پر جا رہے ہیں اور روزوں کا اہتمام و التزام بھی ہو رہا ہے۔ یہ درحقیقت اپنے اوپر تشدد ہے اور یہ بھی ایک طرح کا کفرانِ نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رعایتیں دی ہیں' آپ ان سے فائدہ نہیں اٹھا رہے۔ اکثر لوگوں کو خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آج کل کا سفر بھی کون سا مشکل سفر ہے۔ حالانکہ آپ کو کیا پتہ کہ آپ کراچی سے لاہور کے لئے ریل میں چلے اور راستہ میں گاڑی کسی معمولی پلیٹ فارم پر پانچ چھ گھنٹے کے لئے رک گئی۔ اب آپ کیا کریں گے؟ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ آج کل کے سفر میں بھی کس طرح کی تکالیف آ سکتی ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے رعایت دی ہے تو کسی کا اس سے استفادہ کرنے کو ہرگز گھٹیا بات نہ سمجھئے بلکہ اس کے لئے اصول دے دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد مبارک ہے: یَسِّرُوْا ۔ وَلَا تُعَسِّرُوْا۔ (متفق علیہ: عن انس بن مالک)
"لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرو، سختی اور تنگی پیدا نہ کرو"۔ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نبی اکرمؐ ایک سفر پر جا رہے تھے۔ دیکھا کہ کچھ لوگ بیہوشی کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں اور لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ یہ لوگ روزے سے تھے اور دھوپ کی تمازت سے ان پر غشی طاری ہو گئی۔ تو حضورؐ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ۔ (رواہ النسائی: عن ابی مالک الاشعری)
"سفر میں روزہ رکھنا نیکی کی بات نہیں ہے"۔ یہ درحقیقت اپنے اوپر تشدد ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔ جہاں رعایت دی ہے وہاں اس رعایت سے فائدہ اٹھایئے۔ اس موقع پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ بلاغتِ قرآنی کا یہ ایک عام اسلوب ہے۔ لہٰذا آیت کے اس حصہ میں یُسر و عُسر کا معاملہ صرف صیام پر موقوف نہیں ہے۔ ہر حکم کی تہہ میں بندوں کے حق میں رحمتیں اور مصلحتیں ہی ملیں گی۔ جہاں کوئی دشواری یا معذوری پیش آئے وہاں کوئی نہ کوئی مناسب و متناسب رعایت یا رخصت رکھ دی گئی ہے۔ اب آیت کی طرف پھر رجوع کیجئے اور دیکھئے کہ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ کے فوراً بعد فرمایا: وَلِتُکْمِلُوا الْعِدَّۃَ یہ رعایتیں ہیں، لیکن چھوٹ نہیں ہے۔ یہ اس لئے رکھی گئی ہیں تاکہ بعد میں تم تعداد پوری کر لو۔ تعداد بہرحال پوری کرنی پڑے گی۔ یہ نہیں ہے کہ آپ فدیہ دے کر روزہ رکھنے سے بچ جائیں۔ یہاں صیغہ امر کا ہے۔ وَلِتُکْمِلُوا ۔ الْعِدَّۃَ۔ یہاں حرف لام، لامِ تاکید و لزوم ہے۔ یعنی لازم ہے کہ بعد میں تعداد پوری کرو..... آگے فرمایا وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ
"اور تاکہ تم اپنے رب کی تکبیر کرو۔ اس کی کبریائی کا اظہار کرو اس پر کہ جو اس نے تمہیں راہ راست دکھائی، جو ہدایت تمہیں عطا فرمائی اور تم شکر گزار بن کر رہو"۔

یہ تکبیر کیا ہے اور یہ شکر کیا ہے؟ وہ یہ کہ تم کو اندازہ ہو، آگہی ہو، شعور و ادراک ہو کہ یہ قرآن اللہ کی کتنی عظیم نعمت اور کتنی بڑی دولت ہے! اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اس نعمت اور دولت کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ کب اور کیسے ہو گا۔ یہ بات سطوت و عظمتِ قرآن سے متعلق ہے ہمارے غور و فکر کے لئے اس آیت میں ایک اہم نکتہ ہے۔ اس مقام پر قرآن مجید کو "ھدًی لِّلنَّاس" فرمایا گیا ہے۔ یعنی اسے تمام انسانوں کے لئے ہدایت قرار دیا گیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ البقرہ کے بالکل آغاز میں اسی قرآن کے متعلق فرمایا جاتا ہے۔ ھُدًی

لِّلْمُتَّقِيْنَ "یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے"۔ اب ان دونوں باتوں میں جو ربط و تعلق ہے' اسے سمجھنا ہو گا۔ قرآن مجید میں بذاتہٖ اور فی نفسہٖ تو ہدایت کا سامان پوری نوعِ انسانی کے لئے موجود ہے' لیکن اس سے ہدایت وہی حاصل کرے گا جس میں تقویٰ کی کچھ نہ کچھ رمق اور تلاشِ حق کی کچھ نہ کچھ طلب موجود ہو' یہ چیز ابوجہل میں نہیں تھی چنانچہ وہ خالی رہا۔ وہ قرآن کی ہدایت سے استفادہ نہیں کر سکا اور اس سے محروم رہا۔ ابولہب کیوں محروم رہا؟ اس لئے کہ اس میں بھی نہ تو تقویٰ کی کوئی رمق تھی اور نہ ہی خدا ترسی کا مادہ تھا۔ گویا ہدایت کی طلب ہی موجود نہیں تھی۔ تو جب تک طلب موجود نہ ہو کوئی استفادہ کیسے کرے! جیسے آپ کو معلوم ہے کہ جب تک پیاس نہ لگے' اس وقت تک آپ کو پانی کی قدر و قیمت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں پیاس لگی ہوئی ہو اور پھر پانی کا ایک گھونٹ ملے تو معلوم ہو گا کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ اگر پیاس کے باعث جان پر بنی ہو تو بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ایک گھونٹ پانی کے عوض اپنی پوری سلطنت دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ شدید بھوک لگی ہوئی ہو تو سوکھی روٹی بھی پراٹھا معلوم ہو گی۔ لیکن اگر بھوک نہیں ہے تو آپ چاہے سامنے شیرمال رکھ دیجئے' اس کی طرف طبیعت راغب ہی نہیں ہو گی ——— پس معلوم ہوا کہ جب تک طلب نہ ہو اس وقت تک کسی شے کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ طلب پیدا کرنے کے لئے تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے۔ اس روزے سے تمہارے اندر تقویٰ ابھرے گا۔ اب اس تقویٰ کی پونجی کو لے کر رات کو اپنے رب کے حضور کھڑے ہو جاؤ اور اب تمہارے قلب پر اس قرآن کا نزول ہو۔ یہ بارانِ رحمت' یہ بارشِ جان افزا جب تم پر برسے گی تب تم کو احساس ہو گا کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے' کتنی بڑی دولت ہے۔ اور اللہ کا کتنا بڑا انعام اور احسان ہے کہ اس نے ہمیں یہ کلام پاک عطا فرمایا۔ آپ کو معلوم ہے کہ کلام متکلّم کی صفت ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ قرآن مجید اللہ کی صفت ہے۔ ہماری اصوات اور حروف و الفاظ میں مصحف کے اندر لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام ہمارے سامنے ہے۔ اس قرآن کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ ہم سے کلام فرما رہا ہوتا ہے اور ہم اس سے مناجات کر رہے ہوتے ہیں۔ یہی بات ہے جو بڑے پیارے اور دل نشین الفاظ میں علامہ اقبال نے ان اشعار میں کہی ہے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است — ایں کتابے نیست چیزے دیگر است
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست اُو — زندہ و پائندہ و گویا ست اُو
چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود — جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود

(مفہوم) ..... "اس کتاب کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے' اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں! حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی شے ہے! یہ ذات حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا کلام ہے۔ لہٰذا اسی کے مانند پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی اور جیتی جاگتی بولتی بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی بھی۔

یہ کتابِ حکیم جب کسی کے باطن میں سرایت کر جاتی ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے اور جب کسی کے اندر کی دنیا بدل جاتی ہے تو اس کے لئے پوری دنیا ہی انقلاب کی زد میں آجاتی ہے!۔"

آپ کو اس قرآن عظیم کی عظمت کا اگر کچھ اندازہ کرنا ہو تو اس تمثیل پر غور کیجئے جو سورۃ الحشر میں بیان ہوئی ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ط "اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیا ہوتا (اور انسان کی طرح اس میں سمجھنے کا جوہر رکھا ہوتا) تو تم دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے"۔ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ "اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (اپنے رویّہ اور اپنی حالت پر) غور و فکر کریں"۔ اب دیکھئے وہ مساوات (EQUATION) مکمل ہو گئی کہ قرآن مجید سے استفادہ کے لئے شرطِ لازم بھی تقویٰ ہے اور روزے کا مقصد بھی تقویٰ ہے۔ لہٰذا روزے سے تقویٰ حاصل کیجئے اور رات کو قرآن کی بارش اپنے اوپر برسایئے۔ تاکہ آپ کے اندر جو آپ کی روح ملکوتی ہے وہ اس سے نشوونما حاصل کرے۔ وہ روح جو اللہ نے پھونکی تھی۔ بفحوائے الفاظ قرآنی "وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (الحجر ۲۹)"۔ پس ہمارا ایک حیوانی وجود ہے اور ایک روحانی وجود ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشتہ وز حیواں

اس روحانی وجود سے ہم غافل رہتے ہیں۔ جبکہ حیوانی وجود کی بابت ہمیں ہر شے کی خبر ہے۔ پیٹ کھانے کو مانگتا ہے تو ہم دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ کوئی اور تقاضا ابھرتا ہے تو اس کو پورا کرنے کے لئے تگ و دو کرتے ہیں۔ لیکن روح سے غفلت رہتی ہے' وہ بے چاری سسکتی رہتی ہے' کمزور اور لاغر ہوتے ہوتے بے جان ہو جاتی ہے۔ اس رمضان نے کیا کیا؟ یہ کیا کہ عام دنوں کے عمل کو پلٹ دیا۔ یعنی اس حیوانی وجود یعنی جسم کے تقاضوں کو ذرا دباؤ' ان میں کمی کرو' دن میں بطن و فرج کے تقاضوں پر پابندیاں اور قدغنیں لگاؤ۔ رویّہ' اخلاق اور

معاملات میں خاص طور پر چوکس اور چوکنے رہو۔ ان کے ضمن میں دین کے اوامر و نواہی پر شعوری طور پر عمل پیرا رہو۔ اللہ نے آسودگی اور خوشحالی دی ہے تو ہاتھ کو مزید کشادہ کرو۔ حاجت مندوں، مسکینوں اور فقراء کے زیادہ سے زیادہ کام آؤ تاکہ حیوانی جبلّتوں کا بوجھ روح پر سے کم ہو۔ پھر روح کی غذا کی طرف شعوری طور پر متوجّہ ہو جاؤ اور وہ روحانی غذا کلامِ ربّانی ہے۔ بات کو مزید سمجھ لیجئے، ہمارا جسم کہاں سے بنا؟ مٹی سے! مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ یہ جسد خاکی زمین سے آیا ہے۔ چنانچہ اس کی غذا بھی اُسی سے حاصل ہوتی ہے۔ ہماری تمام ضروریاتِ زندگی کی فراہمی زمین سے ہوتی ہے۔ بطور مثال غذا اور خوراک کو لے لیجئے، وہ کہاں سے آتی ہے۔ گندم اور دوسری اجناس کہاں سے آتی ہیں! آپ جو گوشت کھاتے ہیں، وہ کہاں سے بنا ہے! اس بکری نے بھی تو زمینی نباتات کھائی ہیں جن سے گوشت بنا ہے۔ یہی دودھ کا حال ہے۔ الغرض ہمارے وجودِ حیوانی کے لئے ساری ضروریات وہیں سے فراہم ہوتی ہیں جہاں سے ہمارا یہ وجودِ حیوانی خود آیا ہے۔ اور جو ہماری روحِ ربّانی ہے، روحِ ملکوتی ہے یہ اس عالمِ خاکی کی شے نہیں ہے۔ یہ عالمِ ناسوت سے متعلق نہیں ہے۔ یہ عالمِ علوی سے ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ "یہ روح عالمِ ملکوت سے آئی ہے، اُسی کی طرف اسے لوٹنا ہے۔ یہ روح امرِ رب ہے۔ "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور امرِ رب کی تقویت کا سامان کلامِ رب ہے۔ وہ بھی وہیں سے آیا ہے۔ ایک بڑی پیاری حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظمت و مقامِ قرآن کو اور اس کے حبل اللہ ہونے کی حیثیت کو بیان فرمایا ہے۔ معجم طبرانی کبیر میں حضرت جبیرؓ ابنِ مطعم سے روایت ہے کہ ایک موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک سے برآمد ہوئے، آپؐ نے دیکھا کہ مسجد نبوی کے ایک کونے میں کچھ لوگ بیٹھے قرآن پڑھ رہے ہیں اور پڑھا رہے ہیں۔ تدریس و تدرّس کا سلسلہ جاری ہے۔ حضورؐ کے چہرۂ انور پر بشاشت اور خوشی کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضورؐ ان کے پاس چل کر تشریف لے گئے اور ان صحابۂ کرامؓ سے سوال کیا: اَلَيْسَ تَشْهَدُوْنَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ "کیا تم اس بات کی گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں؟ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ یہ قرآن اللہ کے پاس سے آیا ہے؟"۔ حضرت جبیرؓ آگے روایت کرتے ہیں کہ قُلْنَا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ "ہم

نے عرض کیا' یقیناً ایسا ہی ہے' اے اللہ کے رسول" ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی اس تصدیق و شہادت کے بعد فرمایا۔ فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَ طَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ "پھر تو خوشیاں مناؤ' اس لئے کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ایک سرا تمہارے ہاتھ میں ہے" ۔ آگے ارشاد ہوا: فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تُضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا۔ "پس اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو (اگر تم نے ایسا کیا تو اس کے بعد تم نہ کبھی ہلاک ہو گے اور نہ کبھی گمراہ" ۔ اس حدیث شریف میں گویا حبل اللہ کی شرح موجود ہے کہ یہ قرآن حکیم ہے۔ اب اگر اس حدیث کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مرفوع حدیث اور شامل کر لی جائے تو قرآن مجید کے حبل اللہ ہونے کی بات بالکل واضح اور مبرہن ہو جائے گی۔ وہؓ روایت کرتے ہیں: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابُ اللّٰهِ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے" ۔

بہرحال اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ قرآن مجید' یہ کلام ربانی روح کے تغذیہ و تقویت کا سبب ہے۔ اب جبکہ اس روح کو اس کی اصل غذا ملے گی تو وہ اس سے ازسرنو قوی اور توانا ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو گی اور "اپنے مرکز کی طرف پرواز" کا نقشہ پیش کرے گی تو تمہارے قلب کی گہرائیوں سے اللہ کے شکر کا چشمہ ابل پڑے گا۔ پھر اس شکر کا نتیجہ کیا نکلے گا! اس کا بڑا پیارا بیان اگلی آیت نمبر (۱۸۶) میں ہے۔ فرمایا: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ "اور اے نبی! جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں (تو آپؐ کہہ دیجئے) میں نزدیک ہی ہوں" ۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال و جواب ایک علیحدہ سی بات ہے۔ صیام کے احکام کے ضمن میں کیسے آ گئی! لیکن غور کیجئے تو صاف سمجھ میں آ جائے گا کہ جب صیام و قیام کے نتیجہ میں ایک بندۂ مومن کی روح کو جلا ملی اور جب اس کے قلب میں شکر کا جذبہ ابھرا تو اس کا عین تقاضا ہے کہ تعلق مع اللہ کے جوش و ولولہ میں شدت پیدا ہو۔ طبیعت میں اللہ سے مانگنے' اللہؐ سے سوال کرنے' اللہؐ کے آگے ہاتھ پھیلانے' اس کے سامنے گڑگڑانے' اس سے استغفار کرنے' اس سے عفو و مغفرت طلب کرنے' اس کی طرف رجوع کرنے اور اپنی خطاؤں' معصیتوں اور لغزشوں سے توبہ کرنے

کے جذبات موجزن ہوں۔ گویا اب بندہ اللہ کی طرف ہمہ تن اور پوری یک سوئی سے متوجہ ہوا۔ اب فطری طور پر دل میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ میرا رب مجھ سے کتنا دور ہے؟۔

لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جاتا ہے کہ اے نبی جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے دریافت کریں تو میری طرف سے ان سے کہہ دیجئے۔ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط۔ "کہ میں نزدیک ہی ہوں....." یہ ہے ایک بندۂ مومن کے ہمہ تن متوجہ ہونے کا نتیجہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبیؐ کی زبانی کہ جن کو مشرکین و کفارِ مکّہ تک الصادق اور الامین جانتے اور مانتے تھے' اہل ایمان کو اپنی قربت کی یقین دہانی کرا رہا ہے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری اور بیماری ہماری غفلت ہے۔ ہماری توجہ اللہ کی طرف نہیں بلکہ دنیا کی طرف اور اپنے نفس کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو جانا ہی درحقیقت ہماری ہدایت کا اصل راز ہے۔ جب رُوح کو کلامِ ربّانی سے اَز سرِ نَو تقویت حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو اسے بہت قریب پاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط۔ "اے نبی' جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو ان کو بتا دیجئے کہ میں قریب ہوں' کہیں دور نہیں ہوں[1]..... اپنے رب کو ڈھونڈنے کے لئے اس سے مناجات کرنے کے لئے اس سے راز و نیاز کرنے کے لئے' اس سے عرض و معروض کرنے کے لئے' اس سے طلب کرنے کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے' وہ بالکل قریب ہے۔ اور اگلی بات فرمائی۔ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ "میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں جب مجھے پکارے"..... یہ تو تم ہو کہ ہماری طرف رخ نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں!
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں!

پھر یہ تو ہر شب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے کہ رات کے پچھلے پہر اللہ تعالیٰ سمائے دنیا پر

---

[1] "اللہ تعالیٰ بندوں سے کتنا قریب ہے! اس کے ضمن میں سورۂ قٓ (جو مکی سورہ ہے) کی آیت نمبر ۱۶ کے یہ الفاظ مبارکہ "وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ○" اور اللہ کی معیّت کے لئے سورۃ الحدید (جو مدنی ہے) کی آیت نمبر ۴ کے یہ الفاظ مبارکہ "وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ" پیش نظر رہیں۔

نزول فرماتے ہیں اور پھر ایک صدا ہوتی ہے' ندا لگتی ہے۔

هَلْ مِنْ سَائِلٍ فَيُعْطٰى؟ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَيُسْتَجَابُ لَهٗ؟ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَيُغْفَرُ لَهٗ؟...... "ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کیا جائے؟ ہے کوئی پکارنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے؟ ہے کوئی گناہوں سے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کی جائے۔" (رواہ مسلم۔ عن ابی ہریرہؓ) ......تو ہم اللہ سے غائب ہیں وہ تو غائب نہیں۔

میں نے دسویں جماعت میں عربی کے کورس میں ایک نظم پڑھی تھی' اس کے چند اشعار بڑے پیارے ہیں:

أَغِيْبُ وَذُو اللَّطَائِفِ لَا يَغِيْبُ ‏ وَأَرْجُوْهُ رَجَاءً لَا يَخِيْبُ

كَرِيْمٌ مُنْعِمٌ بَرٌّ لَطِيْفٌ ‏ جَمِيْلُ السِّتْرِ لِلدَّاعِيْ مُجِيْبُ

فَيَا مَلِكَ الْمُلُوْكِ أَقِلْ عِثَارِيْ ‏ فَإِنِّيْ عَنْكَ أَنْأَتْنِي الذُّنُوْبُ

"میں غائب ہو جاتا ہوں وہ صاحبِ الطاف و کرم تو غائب نہیں ہوتا' میں نے اس سے ایسی آس لگا رکھی ہے جو یاس میں نہیں بدلتی۔ وہ کریم ہے' عطا کرنے والا ہے' نہایت مہربان ہے' لطیف ہے۔ بڑی خوبصورتی سے پردہ پوشی کرنے والا ہے' پکارنے والے کی دعا قبول کرنے والا ہے۔ پس اے بادشاہوں کے بادشاہ! میری لغزشوں سے در گزر فرما' مجھے تو میرے گناہوں نے تجھ سے دور کر دیا!"

اللہ سے دُوری کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہیں۔ وہ تو ہر جگہ ہر آن موجود ہے۔ ہماری توجّہات کسی اور طرف ہیں۔ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ○ "میں نے متوجّہ کر لیا ہے اپنے چہرے کو اسی (اللہ) کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین۔ سب سے یک سُو ہو کر اور میں نہیں ہوں مشرکوں میں سے۔" یہ دوسری بات ہے کہ یہ الفاظ کہہ دینے کے باوجود اللہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ توجّہ اپنے حساب کتاب میں رہتی ہے' دماغ اپنے دنیوی معاملات ہی کی چکی میں پستا رہتا ہے۔

اس آیۂ مبارکہ کی طرف دوبارہ توجہ فرمائیے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ..... اب رمضان و قرآن اور صیام و قیام' ان سب کا جو مشترک نتیجہ نکلے گا' وہ یہ ہے کہ تمہاری روح بیدار ہوگی' تقویت پائے گی اور اللہ کی طرف متوجّہ ہوگی۔ تو اس کے لئے

خوشخبری ہے کہ میں کہیں دور نہیں ہوں۔ مجھے تلاش کرنے کے لئے کہیں بیابانوں میں جانے کی اور پہاڑوں کی غاروں میں تپسیائیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو تمہارے بالکل قریب ہی ہوں گویا۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

تمام قدیم مذاہب میں اللہ کے ساتھ بندوں کے ربط و تعلق کا مسئلہ ہمیشہ ایک لاینحل گتھی بنا رہا ہے۔ اکثر مذہبوں نے تو اللہ کو اتنا دور اور بندوں سے اتنا بعید فرض کر لیا ہے کہ اس تک براہ راست رسائی گویا ممکن ہی نہیں چنانچہ ایسے تمام مذاہب نے اللہ کے دربار تک رسائی کیلئے بے شمار واسطے اور وسیلے گھڑ لئے ہیں اور ناقابل فہم مشرکانہ نظام بنا لئے ہیں۔ قرآن نے اس وہم کو دور کر کے صاف صاف بتا دیا ہے کہ تم جسے دور سمجھ رہے ہو' وہ دور نہیں ہے' تمہارے بالکل قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کیلئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے' جب چاہو اور جہاں چاہو اس سے ہم کلام ہو جاؤ۔ اقبال نے اپنی ایک نظم میں نقشہ کھینچا ہے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ یہ جو میرے دربان بن کر بیٹھ گئے ہیں کہ ان کو خوش کئے بغیر مجھ تک رسائی نہیں ہو سکتی' یہ سب ڈھکوسلہ ہے۔ ان کو ہٹا دو' میرا دربار ہر ایک کیلئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ یہاں کسی کیلئے کوئی قدغن نہیں' خلوص و اخلاص کے ساتھ جب اور جہاں چاہو مجھے پکارو اور مجھ سے جو چاہو مانگو۔ علامہ کا شعر ہے:

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

یہ نہیں ہے کہ تمہاری دعا کسی پوپ' کسی پادری' کسی پروہت' کسی پجاری' کسی پنڈت یا کسی پیر ہی کی وساطت سے مجھ تک پہنچ سکتی ہے! دیکھئے عجب اتفاق ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان حائل ہونے والے سب مہاپرشوں کے نام "پ" ہی سے شروع ہوتے ہیں تو ان سب خود ساختہ واسطوں اور وسیلوں کو درمیان میں سے ہٹا دو۔ اللہ کا ربط و تعلق بندے کے ساتھ براہِ راست ہے۔ یہاں کسی واسطے کی ضرورت ہے ہی نہیں! اس تعلق کے مابین حجاب ہم خود ہیں۔ ہماری حرام خوری ہے جو حجاب بنی ہوئی ہے۔ ہماری غفلتیں ہیں جو حجاب بنی ہوئی ہیں۔ اپنی غفلتوں کا پردہ چاک کیجئے اور آج اللہ کی جناب میں توبہ کیجئے! وہ ہر آن' ہر لحظہ تمہاری دعا کو سننے والا ہے۔ وہ ہمیشہ ہی قریب رہتا ہے اور رمضان میں تو اس عموم میں خصوص پیدا ہو جاتا ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی کہ آیت مبارکہ کے اس حصہ میں ہمارے لئے کتنی بشارت'

تسلی، تسکین اور راحت کا سامان رکھ دیا گیا ہے۔ اس میں انسان کیلئے کتنی آزادی کا پیغام ہے! آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں انسانی حقوق کے منشور (MAGNACHARTA) کی بہت دھوم ہے، جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بڑا میگنا کارٹا اور کوئی نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق، اس سے فریاد، اس سے استغاثہ، اس سے حاجت روائی کی درخواست میں کوئی "پ" سے شروع ہونے والا، جن کی فہرست میں گنوا چکا ہوں، حائل نہیں ہے۔

میں صوفیائے کرام کے سلسلۂ ارشاد کی نفی نہیں کر رہا۔ کوئی خدا ترس مرشد ہو، جو قرآن و سنت کی روشنی میں تزکیۂ نفس کرنے اور صحیح طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر چلانے والا ہو تو کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کی قرآنی ہدایت کے مطابق ایسے مرشدین سے ضرور فیض حاصل کرنا چاہئے۔ لیکن ہمارے یہاں پیری مریدی کا جو عام اور غلط تصور رائج ہے اس کے اعتبار سے میں اس کی نفی کر رہا ہوں۔

یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہمیں خوش خبری دی جا رہی ہے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ آپ کو معلوم ہو گا کہ دعا کیلئے وضو بھی شرط نہیں، آپ حالات ناپاکی میں بھی دعا مانگ سکتے ہیں۔ دعا پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ آپ ہر حال میں اپنے رب کے حضور دستِ سوال دراز کر سکتے ہیں۔

البتہ ایک بات ملحوظ رہے۔ آیت کے اس حصہ میں پکارنے والی کی ہر پکار سننے اور جواب دینے کا ذکر ہے۔ یہاں یہ شبہ لاحق نہ ہو کہ ہر دعا کے قبول کرنے کا حتمی وعدہ بھی ہے۔ بچارے بندے کو کیا خبر کہ وہ جو دنیوی چیز اللہ سے مانگ رہا ہے، اس میں اس کیلئے خیر ہے یا شر! کون سی شے اس کے حق میں مفید ہو گی اور کون سی مضر! دعائیں وہی قبول ہوں گی جو اللہ کی رحمت و حکمتِ مطلقہ کے منافی نہیں ہوں گی۔ لیکن نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوش خبری دی ہے کہ بندۂ مومن کی کوئی دعا نہ رد ہوتی ہے، نہ ضائع۔ وہ جس چیز کیلئے دعا کرتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے علمِ کاملہ میں بندے کے حق میں مفید ہوتی ہے تو اسے وہی عطا کر دی جاتی ہے۔ یا پھر اس سے بہتر چیز عنایت ہو جاتی ہے۔ یا پھر اللہ رب الکریم اس دعا کو بندے کے حق میں نیکی قرار دے کر اس کے اجر و ثواب کو آخرت کے لئے محفوظ فرما لیتا ہے۔ اس دعا کے عوض اس کے نامہ اعمال میں سے بہت سی برائیوں کے داغ دھو دیئے جاتے ہیں۔ الغرض بندۂ مومن کی کوئی دعا ضائع نہیں ہوتی۔ وہ کسی نہ کسی صورت میں قبول ہوتی ہے۔

اب اس آیت مبارکہ کا اگلا حصہ پڑھئے۔ اس میں دو شرطوں کا بیان آرہا ہے۔ پہلی یہ کہ۔ "فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي" اور دوسری یہ کہ "وَلْيُؤْمِنُوا بِي"۔ ان دونوں کو سمجھنا ہو گا۔ پہلی شرط میں فرمایا کہ میرے بندوں کو بھی چاہئے کہ میرا حکم مانیں 'میری پکار پر لبیک کہیں۔ میں جب پکاروں فوراً حاضر ہو جائیں 'جس چیز کا حکم دوں بجالائیں 'جس کام سے اور جس چیز سے روک دوں 'رک جائیں۔ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي "پس انہیں بھی چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں"۔ یکطرفہ معاملہ (ONEWAY TRAFFIC) نہیں چلے گا۔ آپ کو قرآن مجید میں یہ بات متعدد جگہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ یک طرفہ معاملہ نہیں فرماتا۔ جیسے سورۃ البقرہ میں فرمایا اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ "اور تم اس عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا ہے' میں اس عہد کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا ہے"۔ اور جیسے سورۂ ابراہیم میں فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ "اگر تم ہمارا شکر کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے اور اگر تم نے ناشکری کی تو پھر ہمارا عذاب بھی بڑا سخت ہو گا"۔

اور جیسے سورۂ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ "اے اہل ایمان! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا"۔ تم اللہ (کے دین) کی مدد نہ کرو بلکہ اس کے دشمنوں سے سازباز کرو 'اس کے باغیوں سے یارانہ گانٹھو اور چاہو کہ اللہ تمہاری مدد کرے تو یہ نہیں ہو گا!۔ ہاں اس کا ارشاد ہے کہ اگر تم مجھے یاد رکھو گے تو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ "فاذکرونی اذکرکم"۔ اور ایک حدیثِ قدسی میں تو بڑے پیارے الفاظ آتے ہیں کہ "اگر میرا بندہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ اور اگر میرا بندہ میرا ذکر محفل میں کرتا ہے تو میں اس سے کہیں اعلیٰ محفل میں 'ملا اعلیٰ 'ملائکہ مقربین کی محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں"۔ تو دو طرفہ معاملہ ہو گا۔ اسی طریقہ سے اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری دعائیں قبول کروں تو تم بھی میری پکار پر لبیک کہو۔ ولیؤمنوا بی۔ "اور انہیں چاہئے کہ مجھ پر ایمان پختہ رکھیں" اس آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ "تاکہ ان پر فوز و فلاح اور رشد و ہدایت کی راہیں کھل جائیں اور یہ ان راہوں پر گامزن ہو جائیں"۔

اگلی آیت (نمبر۱۸۷) میں روزے سے متعلق احکام ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابتدائی حکم آیا تھا کہ "تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا"۔ اب شریعت موسوی میں سحری کا کوئی نظام نہیں تھا۔ رات کو سو جاؤ تو روزہ شروع۔ اور روزے کے دن کے علاوہ شب میں بھی تعلقِ زن وشو کی اجازت نہیں تھی۔ یہ دو شرطیں بڑی کڑی تھیں۔ صحابہ کرامؓ کو یہ مغالطہ تھا کہ شاید یہ پابندی ہمارے یہاں بھی ہے۔ لیکن چونکہ کوئی واضح حکم بھی نہیں تھا لہٰذا کوئی نہ کوئی رات کو بیوی کے ساتھ ہم بستری کر بیٹھتا تھا' لیکن دلوں میں یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ ہم نے غلط کام کیا ہے' گناہ کا ارتکاب کر لیا ہے۔ اس پس منظر میں احکام دے دیئے گئے کہ اس اعتبار سے تمہارا روزہ یہود کے روزے سے مختلف ہے۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ "حلال کیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے ہم بستری اور ان سے تعلق قائم کرنا"۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ "وہ تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے لئے بمنزلہ لباس ہو"۔ جیسے انسان کے لباس اور اس کے جسم کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی۔ ایسے ہی میاں بیوی کے درمیان' جیسا کہ ہم جانتے ہیں' کوئی پردہ نہیں۔ یہ بڑے لطیف انداز میں تعلقِ زن وشو کی تعبیر ہے۔

آگے ارشاد فرمایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ "اللہ خوب جانتا ہے کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے"۔ یہ بڑا بلیغ پیرایہ ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص بکری کا گوشت کھا رہا ہے' لیکن اسے شک ہے کہ شاید یہ سؤر کا ہے' تو وہ گناہ گار ہو گیا۔ کیونکہ جیسے ہی اسے شک ہوا تھا کہ یہ خنزیر کا گوشت ہے' اسے رک جانا چاہئے تھا۔ اگر وہ اس شبہ کے باوجود کھا رہا ہے تو اپنے آپ سے خیانت کر رہا ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ اگرچہ فی نفسہٖ روزے کی شب میں تعلقِ زن وشو جائز تھا لیکن جس کا یہ خیال تھا کہ یہ ناجائز ہے' پھر بھی کر بیٹھا' وہ تو گناہ گار ہو گیا۔ اب تسلی دی جا رہی ہے کہ۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ اس حصہ میں اللہ کے فضل وکرم کا بیان ہے۔ "اس نے تم پر نظرِ عنایت کی اور تمہاری خطا کو معاف کر دیا"۔ آگے قانون واضح فرما دیا کہ یہ حرام اور ناجائز ہے ہی نہیں۔ تم خواہ مخواہ کے شک اور وہم میں مبتلا رہے۔ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ "اب تم (روزے کی راتوں کو بلا روک ٹوک) مباشرت کر سکتے ہو اور (خواہش کرو' حاصل کرو) تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے"۔ اس سے مراد اولاد بھی ہے جو اللہ تعالیٰ اس

تعلق زن وشو کے نتیجہ میں عطا فرماتا ہے۔ اور تسکین بھی ہے لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا یہ بھی اللہ کی عطا کردہ نعمت ہے جو اللہ نے انسان کیلئے رکھی ہے۔ دوسری رعایت یہ ہے کہ۔ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا "اور کھاؤ پیو"۔ رات کے وقت کھانے پینے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ البتہ ایک حد مقرر ہے، وہ ہے۔ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ "یہاں تک کہ رات کی کالی دھاری سے صبح کی سفید دھاری تم کو صاف دکھائی دینے لگے، ممیّز ہو جائے"۔ یہ وہ وقت ہے جسے ہم پو پھٹنا کہتے ہیں۔ جب ایک لکیر سی مشرق میں نظر آتی ہے۔ یہ گویا طلوع فجر ہے۔ اس وقت تک کھانے پینے کی اجازت ہے۔ یہ سحری ہے جس کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ تاکید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِيْهِ بَرَكَةً "سحری ضرور کیا کرو اس لئے کہ اس میں بڑی برکت ہے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے اور یہود کے روزے کے مابین درحقیقت یہ سحری ہی مابہ الامتیاز شے ہے پھر اس میں بڑی وسعت رکھی گئی ہے۔ فرض کیجئے کہ کوئی مسلمان سحری کھا رہا ہے۔ ایک نوالہ اس کے منہ میں ہے اور ایک ہاتھ میں ہے اور شک ہو گیا ہے کہ شاید پو پھٹ گئی ہے، تب بھی وہ اس برکت کو پورا کر لے۔ اس میں تشدّد اور سختی سے منع کیا گیا ہے۔ گویا اس طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ کی تبیین اور تشریح فرما رہے ہیں۔ آگے فرمایا۔ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ "پھر روزے کو پورا کرو رات تک" اہل سنّت کے تمام فقہی مکاتب کے نزدیک غروب آفتاب کے معاً بعد رات شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔ اس بارے میں احادیث شریفہ میں ہمیں حضورؐ کی یہ تاکید ملتی ہے کہ افطار میں جلدی کیا کرو، اس میں برکت ہے۔ اس میں تاخیر مناسب نہیں ہے۔ اہل تشیّع کے یہاں معاملہ مختلف ہے لیکن ہمارے لئے صحیح عمل یہی ہے کہ سنت کے مطابق غروب آفتاب کے فوراً بعد افطار کر لیا جائے۔ اس آیت کے آخری حصے میں حکم آیا کہ۔ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ۔ "اور اگر تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو تو رات کو بھی تعلق زن وشو کی اجازت نہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف ماہ رمضان المبارک کی ایک خصوصی عبادت ہے۔ حضورؐ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور بڑی عظیم نفلی عبادت ہے۔ اس کے تفصیلی احکام بھی سنّت ہی سے ملتے ہیں۔ اعتکاف کی برکات اور حکمتوں

کے متعلق موقع ملا اور اللہ کو منظور ہوا تو پھر کبھی تفصیل سے کچھ عرض کروں گا۔ یہاں حالتِ اعتکاف میں مباشرت کی قطعی ممانعت وارد ہو گئی۔ البتہ بیوی مسجد میں آسکتی ہے گفتگو کر سکتی ہے مشورہ لے سکتی ہے۔ آگے فرمایا تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا۔ "یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں' ان کے قریب بھی مت جانا"۔ تجاوز کرنا تو دور کی بات ہے' وہ تو کھلی معصیت ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ حدود کے قریب بھی نہ پھٹکنا' ذرا فاصلے پر ہی رہنا۔ اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت بلیغ اسلوب سے سمجھایا اور واضح فرمایا ہے

کہ ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ اللہ نے جو چیزیں حرام کر دی ہیں وہ اس کی محفوظ چراگاہ کے مانند ہیں۔ کوئی چرواہا اپنے گلے کو اگر آخری حد تک لے جائے گا تو کبھی کوئی بھیڑ بکری چھلانگ لگائے گی اور اس ممنوعہ چراگاہ میں داخل ہو جائے گی۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ کچھ فاصلے پر رہو۔ اس آیت کا اختتام ان الفاظ مبارکہ پر ہوتا ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ "اس طرح اللہ اپنی آیات کی لوگوں کے لئے وضاحت فرماتا ہے' اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے' تاکہ وہ اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچیں۔ تقویٰ اختیار کریں" ...... یہاں اس رکوع کی پانچویں آیت ختم ہوئی۔ پہلی آیت ختم ہوئی تھی ان الفاظ پر لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ یہ آیت ختم ہوتی ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○ پر۔ اس سے بھی آپ رمضان کے پورے پروگرام کا تقویٰ سے جو گہرا تعلق ہے اس کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

اس رکوع کی آخری آیت کا بظاہر رمضان کے روزوں سے تعلق معلوم نہیں ہوتا' لیکن حقیقت میں بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لئے کہ دو مقامات پر بڑے شدومد سے روزوں کی غایت تقویٰ بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے متعلق سوچنا پڑے گا کہ اس تقویٰ کا "معیار" کیا ہے اور اس کا عملی ظہور کس طور سے ہو گا! کیا تقویٰ کا تعلق کسی خاص قسم کی وضع قطع سے ہے! کیا تقویٰ کسی خاص شکل و صورت کا نام ہے کہ داڑھی رکھ لی ہے' وہ بھی "شرعی مقدار" کے مطابق؟ اور ازار ٹخنوں سے اونچا پہننے کا اہتمام ہے؟ تو کیا اس طرح تقویٰ کے تقاضے پورے ہو گئے ؟ معاذ اللہ ان چیزوں کی نفی نہیں ہے۔ جو چیز بھی سنت کے مطابق ہے' وہ اپنی جگہ نورانی ہے اور یقیناً ہمارے لئے قابل قدر ہے۔ میں نے یہ اندازِ گفتگو آپ لوگوں کو چونکانے کے لئے اختیار کیا ہے چونکہ اصل تقویٰ یہ چیزیں نہیں ہیں۔ اصل تقویٰ کیا ہے؟ وہ ہے

اکل حلال! اکل حلال ہے تو تقویٰ ہے' یہ نہیں ہے تو تقویٰ نہیں ہے۔ چاہے کتنی ہی شکل وصورت اور وضع قطع ان چیزوں کے مطابق بنالی گئی ہو جن کو عام طور پر "تقویٰ" سمجھا جاتا ہے وہ اصل تقویٰ نہیں ہے۔ عبادتوں کے کتنے ہی ڈھیر لگالئے گئے ہوں اور ہر سال عمرے پر عمرے اور حج پر حج کئے جارہے ہوں تو یہ بھی اصل تقویٰ نہیں ہے۔ یہ اہم بات سمجھنے کی ہے۔ میں پہلے آپ حضرات کو بتاچکا ہوں کہ روزے میں آپ حلال چیزیں کیوں نہیں کھاتے! تعلقِ زن وشو قائم کیوں نہیں کرتے! اس لئے کہ اللہ کا حکم نہیں ہے۔ لیکن روزے کی حالت میں آپ دوسرے نواہیٔ شریعت کا ارتکاب کررہے ہیں تو آپ نے درحقیقت روزہ رکھا ہی نہیں۔ یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔ یہ فتویٰ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حضورؐ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ (بخاری' ابوداؤد' ترمذی: عن ابی ہریرہ) "جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔" محض بھوکا پیاسا رہنے سے کیا حاصل؟ یہ روزہ تو نہ ہوا کہ روزہ رکھا ہوا ہے اور کاروبار میں اور عام بات چیت میں دھڑلے سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور جوا کھیل رہے ہیں۔ تاش' شطرنج' کیرم یا اسی نوع کی خرافات کا شغل ہو رہا ہے۔ کوئی ٹوکے تو جواب ملتا ہے کہ "روزے کو بہلایا جارہا ہے" ..... "غیبت" ازروئے قرآن مجید کیا ہے؟ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا! روزہ رکھ کر حلال جانور کا حلال گوشت تو کھا نہیں رہے اور بے محابہ غیبتیں کرکر کے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ..... یہ روزہ کہاں ہوا! یہ فاقہ ہے' روزہ نہیں! یہ میرا یا کسی مولوی کا نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں كَمْ مِّنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صَوْمِهِ اِلَّا الْجُوْعُ ..... "کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزے سے بھوک پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا" تو اگر فی الواقع روزہ رکھا ہو اور اس کے نتیجے میں تقویٰ پیدا ہو تو اس کا معیار اور اس کی کسوٹی ہے **اکل حلال!**

چنانچہ اس رکوع کی آخری آیت میں فرمایا:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے مت کھاؤ" یعنی حرام طریقوں سے ایک دوسرے کے مال ہڑپ نہ کرو۔

وَتُدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ "اور اپنے اموال کو (رشوت کے طور پر اور ناجائز طریقوں سے دے دلا کر) حکام تک پہنچنے کا ذریعہ مت بناؤ"۔ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ "کہ اسطرح لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جانتے بوجھتے ناحق اور گناہ سے ہضم کر جاؤ"۔ یعنی ایسا نہ کرنا کہ حکام کو رشوت دی اور کسی کا حق اپنے نام کرالیا۔ ——— قاضی کو کوئی رشوت دی اور کسی کی زمین کی ڈگری اپنے نام کرالی۔ سرکاری اہل کاروں کو رشوت دی اور کسی کا مال کھا گئے۔ گویا یہ رشوت حرام کی ایک بڑی نمایاں شکل ہے۔ اس آخری آیت کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں تو حرام کاروبار سے اور دیگر حرام طریقوں سے آمدنی کی کلی ممانعت ہو گئی۔ جیسے سودی لین دین، سٹہ اور اسی قبیل کے تمام ناجائز ذرائع سے کمائی کی نفی ہو گئی۔ دوسرے حصہ میں حکام تک رسائی کیلئے رشوت کو ذریعہ بنانے اور لوگوں کے مال ناحق اور ناجائز طریقوں سے ہڑپ کرنے سے مجتنب اور باز رہنے کی خاص طور پر تاکید ہو گئی اور روزے اور رمضان کے احکام کے ساتھ اس آیت کو رکھ کر گویا یہ رہنمائی دے دی گئی کہ جان لو کہ اصل تقویٰ یہ ہے۔ اگر حرام خوری سے باز نہ آؤ تو پھر چاہے تم عبادات کے ڈھیر پر ڈھیر لگا لو، وہ تقویٰ حقیقی نہیں ہو گا بلکہ تقویٰ کا بہروپ ہو گا۔ وہ تمہاری کچھ رسومات ہیں جن کا تم نے طومار باندھ رکھا ہے، وہ حقیقی عبادات سرے سے ہیں ہی نہیں!

اس آیت مبارکہ اور ان احادیث سے جو ابھی پڑھی گئی ہیں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تقویٰ کا حقیقی معیار **اکل حلال** ہے۔ اکل حلال کی اہمیت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا مزید مطالعہ کر لیجئے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور اسے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ حدیث مبارک کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا

"بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزیں ہی قبول کرتا ہے"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی دو آیات تلاوت فرمائیں جن میں رسولوں اور مومنوں کو اکل حلال کا حکم دیا گیا ہے۔ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ "پھر حضورؐ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کر کے آتا ہے۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں"

فرض کیجئے کہ کوئی شخص آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے دور دراز سے حج کے لئے نکلا ہے اور بہت طویل سفر کر کے عرفات تک پہنچا ہے۔ آج کل تو آپ ہوائی جہاز سے تین چار گھنٹے میں جدہ اور آگے ایک ڈیڑھ گھنٹے میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتے ہیں پھر حج کے مناسک کی ادائیگی کے لئے جو سہولتیں اس دور میں مہیا ہیں' ان سے متمتع ہو کر اگر واپسی کی جلدی ہو تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ میں حج کے تمام مناسک سے فارغ ہو کر آرام سے اپنے شہر واپس پہنچ سکتے ہیں۔

لیکن ذرا اس دور کا تصور کیجئے کہ کوئی شخص فَجٍ عَمِیْقٍ (دور دراز کی راہوں) سے آیا ہے۔ اسے تو مہینوں کی مسافرت طے کرنی پڑی ہے۔ اس کا جو حلیہ بنا ہو گا اسے چشم تصور میں لائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ یَمُدُّ یَدَہٗ اِلَی السَّمَآءِ یَارَبِّ یَارَبِّ "یہ شخص آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر پکار رہا ہے اے میرے پروردگار' اے میرے مالک و آقا"۔ وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ "حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام کا' پینا بھی حرام کا' لباس بھی حرام کا اور اس کا جسم حرام کی غذا سے بنا ہے"۔ اس شخص کے بارے میں حضورؐ فرماتے ہیں: فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ؟ "تو ایسے شخص کی دعا کیسے قبول کی جائے؟"

یہ حرام خوری اس کے اور اس کے ربّ کے درمیان حجاب بن گئی ہے۔ اس کی دعا قبول ہو تو کیسے ہو؟۔ ایک وضاحت پیش نظر رہے کہ یہاں جس حرام کا ذکر ہے اُس سے کھانے پینے کی وہ چیزیں مراد نہیں ہیں جو نصوصِ قطعی سے حرام ہیں بلکہ وہ حرام خوریاں ہیں جن کا آج کل عام رواج ہے اور جن کے حرام ہونے کا خیال اِلّا ماشاءاللہ لوگوں کو ہی رہ گیا ہے۔ اس رکوع کی یہ آخری آیت اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس نے ہمارے سامنے حقیقی تقویٰ کا ایک معیار رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان تمام نواہی اور منکرات سے بچ سکیں جن سے ہمارا دین ہمیں بچانا چاہتا ہے اور صحیح تقویٰ اختیار کرنے کے لئے ہمارے دلوں میں طلب صادق پیدا فرمائے اور اس پر پوری زندگی مستقیم رہنے کے لئے ہماری نصرت فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین

اقول قولی هذاو استغفراللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین و المسلمات

حدیثِ رسولؐ

وَعَنْ

عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ

قَالَ: بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ

فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ

وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ

وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا

وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ، اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ

مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ،

وَعَلٰى اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا، لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ

لَوْمَةَ لَائِمٍ (بخاری ومسلم)

مفہوم: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی کہ:

ہم ہر حالت میں اللہ اور رسول اور اُن لوگوں کی جن کو امیر مقرر کیا گیا ہو بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ خواہ تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی اور خوشی کی حالت میں بھی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی اور اُس صورت میں بھی جب کہ دوسروں کو ہمارے مقابلے میں ترجیح دی گئی ہو۔ امیر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ سوائے اس کے کہ امیر سے کھلا ہوا کفر سرزد ہو۔ اُس وقت ہمارے پاس دلیل ہوگی کہ ہم اُس کی بات نہ مانیں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے۔ اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انار کلی لاہور

قرآن حکیم کے حقوق اور اس کے عملی تقاضے

ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

۱۶ رمئی ۱۹۸۶ء

بمقام: جامع مسجد ناظم آباد بلاک نمبر ۵ کراچی

ترتیب وتسوید: (شیخ) جمیل الرحمٰن

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصًا علی خاتم النبیین محمدؐ الامین وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین — امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ (البقرہ: ۱۸۵)

— صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ —

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یَا اهل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوہ حق تلاوتہ من آناءِ اللیل والنھار وافشوہ و تغنوہ وتدبروا فیہ لعلکم تفلحون

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ○

اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتَنَا فِیْ قُبُوْرِنَا وَارْحَمْنَا بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّھُدًی وَّرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنَا مِنْہُ مَا نَسِیْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْہُ مَا جَھِلْنَا وَارْزُقْنَا تِلَاوَتَہٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْہُ لَنَا حُجَّۃً یَّارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ — آمین !

○

معزز حاضرین ۔ اگرچہ میرا یہ خیال تھا کہ میں آج عظمتِ قرآن کے موضوع پر گفتگو کروں لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ یہ مضمون زیادہ تر علمی نوعیت کا ہے، جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہدایات و تعلیماتِ قرآنیہ کے کچھ عملی پہلو ہمارے سامنے آئیں ۔ اگر علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے اور عمل میں ترقی نہ ہو تو یہ مفید ہونے کے بجائے الٹا نقصان دہ ہو سکتا ہے ۔ ویسے بھی ہمارے دین کا مزاج یہ ہے — اور یہ مزاج صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بہت نمایاں تھا — کہ وہ علمی نکات کی طرف زیادہ نہیں جاتے تھے بلکہ قرآن مجید کے عملی پہلوؤں پر زیادہ توجہ صرف کرتے تھے ۔ چنانچہ آپ کے علم میں ہوگا کہ ہمیں اس بات سے روکا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے میں بحث کریں بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے انعامات و احسانات پر زیادہ غور کیا کرو ۔ اللہ کی ذات پر غور کرو گے اور اس کی کُنہ تک پہنچنے کی کوشش کرو گے تو فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور اس کی صفاتِ کمال پر بھی اجمالی ایمان زیادہ مفید ہے ۔ مثال کے طور پر اللہ سمیع و بصیر ہے ۔ وہ سنتا بھی ہے اور دیکھتا بھی ۔ لیکن کیسے سنتا ہے اور کیسے دیکھتا ہے ؟ جہاں اس چکر میں پڑے گمراہ ہو جاؤ گے ۔ اللہ الحیّ ہے ۔ وہ زندہ ہے لیکن اس کی حیات اور زندگی کیسی ہے ؟ جہاں اس کو معین کرنے کی کوشش کرو گے گمراہی میں مبتلا ہو جاؤ گے ۔ صحیح اور محتاط طرزِ عمل اور

رویہ یہ ہونا چاہیئے کہ اللہ کی نعمتوں پر غور کرو۔ اس کی آیاتِ آفاقی و انفسی پہ تفکر و تدبر کرو اور اس سے آگے بڑھ کر اس کی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرو۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ روش صحیح نہیں ہے کہ حضورؐ کی عظمت کو زیادہ شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا رہے اور آپؐ جو شن لے کر تشریف لائے تھے اس پر ہماری توجہ کم رہے تو یہ عملی اعتبار سے مناسب نہیں ہوگا۔ آپؐ کی حقیقی عظمت تو ہمارے وہم و خیال سے بھی بالاتر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہم اس پر زیادہ قوتِ لسانی صرف کریں تو کہیں نہ کہیں توہین کے مرتکب ہو جائیں۔ اس لئے کہ کسی کی عظمت بلند تر ہو اور ہم اسے کم تر بیان کریں تو یہ گویا ایک نوع کی توہین ہے اور ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت جس قدر اعلیٰ و ارفع ہے وہ ہمارے تخیل و توہم سے ماوراء ہے۔ اس میں محنت کریں گے اور قوتِ بیان صرف کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اصل طرزِ عمل یہ ہونا چاہیئے کہ سوچا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا نسبت و تعلق درست ہے یا نہیں! حضورؐ کے دامن سے صحیح وابستگی ہے یا نہیں! حضورؐ کے ہم پر کیا حقوق ہیں اور ہم انہیں کس حد تک ادا کر رہے ہیں! آج سے لگ بھگ چودہ سال قبل میں نے اسی مسجد میں ایک تقریر کی تھی جس کا موضوع تھا کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیادیں کیا ہیں!" وہ تقریر یہیں ہمارے ایک بزرگ رفیق نے ٹیپ سے اتار کر شائع بھی کرا دی اور الحمدللہ کہ تاحال اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور وہ قریباً پچاس ہزار کی تعداد میں شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کتاب کا موضوع یہی ہے کہ ہماری نجاتِ اُخروی کا دار و مدار اصلاً اس پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں درست ہوں اور حضورؐ کے ساتھ ہمارا تعلق صحیح ہو۔

یہی معاملہ قرآن مجید کا ہے۔ قرآن مجید کی عظمت کا موضوع بھی یقیناً بہت اہم ہے۔ خود قرآن مجید میں قرآن کی عظمت کا بیان مختلف اسالیب اور مختلف پیراؤں میں آیا ہے۔ کہیں تمثیل کے پیرائے میں فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ "اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ (پہاڑ) دب جاتا، پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔" وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ "اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر سے کام لیں"۔۔۔ قرآن کی عظمت کا صحیح ادراک تمہارے لئے ممکن نہیں ہے، کوئی تصور کر سکتے ہو تو اس مثال سے کرو۔ قرآن میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے

خود اپنے اس کلام پاک کی مدح فرمائی ہے۔ جیسے سورۂ یونس میں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ (۵۷، ۵۸) "اے لوگو! تمہارے پاس آگئی ہے نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور (تمہارے) سینوں میں جو روگ ہیں ان کی شفا اور ہدایت و رحمت اہل ایمان کے حق میں۔ (اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا مظہر اتم ہے۔ پس اس (انعام واحسان) پر خوشیاں مناؤ (کہ اللہ نے قرآن جیسی نعمت تمہیں عنایت فرمائی)۔ جو چیزیں لوگ جمع کرنے (کی فکر اور کوشش) میں لگے رہتے ہیں یہ (قرآن) ان سے کہیں زیادہ قیمتی شے ہے"۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر یہ مضمون وارد ہوا ہے۔ میں تمہیداً عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت مجھے 'عظمتِ قرآن' کے موضوع پر گفتگو نہیں کرنی۔ میں نے آغاز میں سورۃ البقرہ کی جو آیتِ مبارکہ تلاوت کی ہے اس میں رمضان کا ذکر ہے، روزے کی فرضیت کا ذکر ہے، قرآن کے بیّنہ ہونے کا ذکر ہے۔ اس قرآن کے ھُدًی للناس ہونے کا ذکر ہے۔ اس قرآن کے حق و باطل اور صحیح و غلط میں فرق و تمیز کرنے والی کتاب ہونے کا ذکر ہے۔ پھر اس آیتِ مبارکہ کا اختتام ان الفاظِ مبارکہ پر ہوا ہے: وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اس دو لفظی حصہ میں نزولِ قرآن کا مقصد اور اس کی غایت بیان فرمائی کہ "اور تاکہ تم (اس لازوال نعمت پر) اللہ کا شکر ادا کرو"۔ قرآن کا شکر کیا ہے؟ یہ کہ ہم قرآن کی ہدایات، تعلیمات، احکام، اوامر و نواہی کی پیروی کریں اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ان تمام چیزوں کا پابند بنائیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔ اور اس طرح قرآن مجید کے حقوق ادا کرنے کی فکر کریں۔ مجھے آج اسی کے ضمن میں گفتگو کرنی ہے۔

یہ بات بھی جان لیجئے کہ آپ جو روزہ رکھ رہے ہیں، یہ بھی آپ قرآن کا حق ادا کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۸۵ کے آغاز میں فرمایا گیا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ پھر قرآن کا تعارف ان الفاظ مبارکہ سے کرا دیا گیا کہ یہ "هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ" ہے۔ پھر حکم دیا گیا کہ "فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ"۔ آپ کی اسی مسجد میں شعبان کی آخری شب کو میری مفصّل گفتگو ہو چکی ہے۔ اس موقع پر اختصار سے عرض کرتا

ہوں کہ اس مقام پر قرآن مجید کو "ھدًی للنّاس" فرمایا گیا ہے کہ یہ ہدایت ہے پوری نوعِ بشر کے لیے جبکہ سورۃ البقرہ کے آغاز میں قرآن کو "ھدًی للمتقین" قرار دیا گیا ہے۔ کہ یہ ہدایت ہے خداترس لوگوں کے لیے۔ جن میں تقویٰ ہی نہیں، خدا کا خوف ہی نہیں وہ اس کتابِ مبین سے کیا استفادہ کریں گے؟ چنانچہ اس سے ابوجہل استفادہ نہیں کر سکا، ابولہب اور ولید بن مغیرہ استفادہ نہیں کر سکے۔ جب کہ قرآن ان کی اپنی زبان میں نازل ہو رہا تھا اور اس ہستی پر نازل ہو رہا تھا جس کی بے داغ سیرت و کردار ان کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ جسے یہ خود الصادقؐ اور الامینؐ قرار دے چکے تھے لیکن پھر بھی محروم کے محروم رہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبیست!

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ جن میں خود میلان اور رُجحان نہیں ہے اور جن کے دلوں میں راہِ حق کی جستجو اور طلب نہیں ہے، وہ اس "ھدًی للنّاس" سے استفادہ کرنے سے محروم رہ جائیں گے۔ اس کتاب سے استفادہ کے لیے تقویٰ، خداترسی اور راہِ حق کی طلب کی کوئی نہ کوئی رمق ہونی ضروری ہے۔

اب اس بات کو بالکل الجبرا کے فارمولے کی طرح ذہن میں جما لیجیے کہ قرآن اصل میں تو پوری نوعِ انسانی کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے استفادہ کی شرط تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے لیے روزہ فرض کیا گیا ہے کہ اس ماہِ مبارک میں روزہ رکھو جس میں قرآن نازل فرمایا گیا —— اس ماہ کی برکات سے صحیح طور پر مستفیض ہونے کے لیے دن میں روزہ رکھو۔ اور اس روزے کے ذریعہ سے تقویٰ کی کوئی رمق حاصل ہوئی ہے تو رات کو اللہ کے حضور اس پونجی کو لے کر کھڑے ہو جاؤ کہ اس پر کلامِ الٰہی کی بارش برسے۔ گویا زمین تیار کر لی گئی ہے اور تیار زمین پر بارش برسے تو اس بارش کا فائدہ ہے۔ اگر زمین پر ہل نہیں چلایا، بیج نہیں ڈالا تو بارش آئی اور گئی۔ اس زمین کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ تم نے اس روزہ کے ذریعے سے اپنے دل کی زمین کو کچھ تیار کیا ہے، اس میں تقویٰ کی کچھ رمق پیدا کی ہے تو اب قیام اللیل کا اہتمام والتزام کرو، تاکہ بارانِ رحمت کا نزول ہو، یعنی کلام الٰہی تمہارے قلب پر نازل ہو۔ بقول علامہ اقبال ؎

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

جب قرآن انسان کے قلب پر اترتا ہے تو درحقیقت یہ اس دل میں جذب ہوتا ہے۔ جس دل میں تقویٰ کا ہل چل چکا ہو تو قرآن اس میں بہار لے آتا ہے۔

اس آیت میں آگے کچھ رعایتیں دی گئیں کہ بیمار ہو یا سفر میں ہو تو تعداد دوسرے دنوں میں پوری کر لو۔ اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا لیکن تعداد پوری کرنی ہوگی: " وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ "۔ آگے ارشاد ہوا کہ: " وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ " اور اللہ نے جو ہدایت تمہیں عطا کی ہے اس پر اللہ کی تکبیر کرو"۔ " وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ " اور تاکہ تم شکر کر سکو

میں " لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ " کے حوالے سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں سمجھنا ہے کہ "شکر" کیا ہے! اگرچہ ہم یہ لفظ بولتے ہیں اور یہ اردو زبان میں عام مستعمل ہے۔ اور لفظ شکریہ تو ہماری زبان پر بار بار آتا ہے۔ مہذب انسان کی تو یہ عادتِ ثانیہ ہوتی ہے کہ وہ ہر مہربانی پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ لہٰذا تہذیبی و تمدنی زندگی میں یہ "شکریہ" بہت اہم ہے۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری طرح سمجھا جائے کہ "شکر" درحقیقت کسے کہتے ہیں؟۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی عظیم تصنیف "مفردات القرآن" میں قرآن میں استعمال ہونے والے ایک ایک لفظ کے اصل مادّہ (ROOT) اور اصل مفہوم پر بحث کی ہے۔ لفظ "شکر" پر ان کی بحث بڑی پیاری ہے انہوں نے فرمایا کہ شکر کے تین درجے ہیں۔ پہلا ہے "شکر بالقلب"۔ یعنی پہلے کسی کے احسان کا احساس اور شعور تو ہو۔ اس احسان، انعام اور نعمت کی قدر و قیمت کا اندازہ تو ہو۔ کسی نے آپ کے ہاتھ پر ہیرا رکھا اور آپ نے اسے محض کانچ کا ایک ٹکڑا سمجھا تو آپ اس کا کیا شکریہ ادا کریں گے؟ آپ کو اس ہیرے کی قدر و قیمت کا احساس ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نعمت کا شکر بقدرِ معرفتِ نعمت ہی ادا کیا جا سکتا ہے۔ کسی نعمت کی قدر و قیمت کا جتنا ادراک و شعور ہوگا، اتنا ہی آپ اس نعمت کا شکر ادا کر سکیں گے۔ لہٰذا شکر کا پہلا درجہ اور مرحلہ شکر بالقلب ہے۔ دوسرا درجہ اور مرحلہ ہے "شکر باللسان"۔ یعنی دل میں جو جذباتِ شکر ابھرے ہیں، اب وہ زبان پر آئیں گے، الفاظ کا جامہ اختیار کریں گے اور آپ اپنے محسن و منعم کا زبان سے شکریہ ادا کریں گے۔ اور شکر کا تیسرا درجہ اور مرحلہ ہے "شکر بالجوارح"۔ یعنی اپنے پورے وجود سے شکر کرنا۔ یہ شکر کیا ہے؟ اس کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ "شکر" دراصل یہ ہے کہ اس نعمت کا حق ادا کیا جائے۔ اگر نعمت کا حق ادا نہیں کیا تو یہ بھی ناشکری ہے۔ میں اس کی تفہیم کے لیے سادہ ترین مثال دیا کرتا ہوں کہ کسی بچے کو اس کے والد کوئی اعلیٰ کتاب لا کر

تحفے میں دیتے ہیں۔ وہ بچہ مہذب ہے، کلچرڈ ہے، وہ فوراً 'THANKS DADDY' تو کہہ دیتا ہے۔ اس تحفہ پر ابا جان کا زبان سے تو شکریہ ادا کر دیتا ہے، لیکن پھر اس کتاب کو الماری میں رکھ دیتا ہے، کھولتا نہیں، اس کا مطالعہ نہیں کرتا۔ تو بتائیے کہ کیا اس نے شکر کیا؟ حقیقت میں اس نے ناقدری اور ناشکری کی، کفرانِ نعمت کیا۔ باپ نے کتاب اس لئے لاکر دی تھی کہ بچہ پڑھے تو اس کے علم و فہم میں وسعت اور معلومات میں اضافہ ہو۔ لیکن اس بچے نے کتاب سے یہی مقصد حاصل نہیں کیا۔ زبان سے تو شکریہ ادا کر دیا، حقیقت میں اپنے وجود سے شکریہ ادا نہیں کیا۔ گویا نعمت کا حق ادا کرنا آخری درجہ کا شکر ہے۔

اب اس کے حوالے سے سمجھیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن جیسی کتاب دی ـــ اب دیکھئے میں نے ابھی جو مثال دی ہے اس سے بڑی پیاری مناسبت پیدا ہو گئی۔ جیسے باپ نے بچہ کو کتاب لاکر دی، ایسے ہی ہمارے آسمانی باپ نے ہمارے لئے کتاب اتاری ـــ آسمانی باپ کا لفظ انجیل میں آتا ہے اور اس اعتبار سے بُرا نہیں ہے کہ جیسے باپ اولاد کی پرورش کرتا ہے، ویسے ہی اللہ تعالیٰ آسمانی باپ ہے۔ ربّ العالمین ہے۔ تمام جہانوں کا پروردگار اور پالن ہار ہے ـــ تو ہمارے پروردگار نے ہمیں کتاب دی اس لئے کہ ہم اس سے ہدایت اخذ کریں، اسے ہم اپنا امام اور راہنما بنائیں۔ اس سے اپنے سینوں کو آباد کریں، اس سے ہم اپنے قلوب و اذہان کو روشن کریں، اس کی تعلیمات سے استفادہ کریں۔ اس کتاب سے خالق و مالک کی معرفت حاصل کریں، اس کی صفاتِ کمال کا ادراک کریں، اس کی توحید کو پہچانیں، اس کی مرضیات کا شعور و فہم حاصل کریں، اس کے اوامر و نواہی سے آگاہ ہوں اور اس پوری کائنات بالخصوص انسان کی تخلیق کے مقصد کو جانیں ـــ لیکن اگر ہم نے اس کتاب کو بند کر کے رکھ چھوڑا اور اسے گاہے بگاہے چوم لیا، یا یہ اگر کہیں ہاتھ سے گر گیا تو اس کے ہموزن گندم صدقہ کر دی یا بچی کو اس کا اعلیٰ سے اعلیٰ نسخہ جہیز میں دے دیا۔ یا یہ کہ بہو جب پہلی بار گھر میں داخل ہو رہی ہے تو اس پر قرآن کا سایہ کر لیا ـــ تو کیا قرآن کے یہ حقوق ہیں؟ کیا قرآن ہمیں ان کاموں کے لیے دیا گیا تھا ـــ؟

میں نے لاہور میں ۱۹۶۶ء کے اواخر میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے بھروسے پر دعوت رجوع الی القرآن کا کام شروع کیا اور متعدد علاقوں میں مطالعۂ قرآن کے حلقے قائم کئے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کو قبولِ عام حاصل ہوا ـــ تو مسجدِ خضرا سمن آباد کے منتظمین

کی طرف سے مجھے اس مسجد میں خطابِ جمعہ کی دعوت ملی ۔ اس زمانہ میں یہ علاقہ کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ میں نے ۱۹۶۸ء کے اوائل سے اس کام کا آغاز کر دیا اور اس مسجد میں پہلے دو جمعوں میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے موضوع پر تقریریں کیں ـــــ اس طرح مسجد خضرا قریباً دس سال تک پورے پاکستان کے لیئے دعوتِ رجوع الی القرآن کا مرکز بنی رہی۔ مجھے اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے اس مسجد کو کیسے قبول فرمایا! مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا۔ اس مردِ درویش نے ارضِ لاہور میں چالیس برس تک درسِ قرآن دیا اور ارضِ لاہور کی فضا کو قرآن حکیم کی برکات سے مستفیض فرمایا اور قرآنی تعلیمات کی روح کو عام کیا ـــــ اب آپ دیکھئے کہ ان چیزوں میں کس قدر مناسبت ہوتی ہے۔ ظاہر بین نگاہوں میں اس کی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ لیکن جن کی نگاہ حقائق پر اور باطن پر ہے وہ ان چیزوں کی اہمیت سے آگاہ ہیں۔ چنانچہ جس مسجد کا سنگِ بنیاد اس اللہ کے بندے کے ہاتھوں رکھا گیا تھا جو داعئ دعوتِ رجوع الی القرآن تھا۔ تو اس میں جب میں نے خطابِ جمعہ شروع کیا تو اسی موضوع سے کیا کہ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کیا ہیں"! جب کہ اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس مسجد کا سنگِ بنیاد اُنؒ کے دستِ مبارک سے رکھا گیا تھا۔

اس موضوع پر تقریر کرنے کا اُس وقت میرے ذہن میں خیال کیوں آیا! اس کی بھی بظاہر ایک وجہ تھی۔ وہ صدر ایوب کا دورِ حکومت تھا۔ آپ میں سے اکثر کو یاد ہوگا کہ صدر ایوب کے دورِ حکومت میں مختلف جشن منائے جانے کا رواج شروع ہوا تھا۔ جیسے جشنِ خیبر، جشنِ مہران اور جشن فلاں فلاں جو دراصل ثقافت کے نام پر بے حیائی کے فروغ کے لیئے محافلِ رقص و سرود کا مختلف عنوانوں سے انعقاد تھا۔ انہوں نے اپنے آخری دور میں مذہبی اور دینی مزاج کے لوگوں کو رشوت بھی دی تھی کہ ایک "جشنِ نزولِ قرآن" بھی سرکاری سطح پر منالیا جائے۔ یعنی ہمیں ثقافت کے نام پر اپنی من مانی کرنے دو۔ تم اپنے ذوق کی تسکین کے لیے قرأت کی محافل منعقد کر لیا کرو، سرکاری سطح پر سونے کے تاروں سے چالیس من وزنی قرآن مجید تیار کرالو۔ نزولِ قرآن کا جشن منالو ـــ تاکہ دینی و مذہبی ذہن کے لوگ مطمئن ہو جائیں کہ ہمیں بھی کچھ دیا گیا ہے ـــــ اس تناظر میں اس وقت میں نے کہا تھا کیا قرآن مجید کے حقوق یہ ہیں؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے سونے کے تاروں سے قرآن مجید لکھا تھا؟ ـــــ صحابہ کرامؓ نے تو اس قرآن کو اپنے سینوں

میں جذب کیا تھا۔ اسے اپنی سیرتوں کا جزو بنایا تھا۔ صحابہ کرامؓ تو ان راستوں پر چلے تھے جو قرآن نے انؓ پر واضح کیے تھے۔ انؓ میں کوئی ایسا بھی نہیں تھا جس کے پاس پورا قرآن کتاب کی شکل میں موجود ہو۔ اس دور میں یہ طباعت و اشاعت کے لوازمات کہاں تھے اور کہاں تھے یہ آرٹ پیپر! کاغذ ہی دستیاب نہیں تھا، آرٹ پیپر کا کیا سوال! اور کہاں تھیں یہ روپہلی و سنہری اور خوش نما جلدیں! لیکن قرآن انؓ کے دلوں پر نقش تھا۔ انؓ کی شخصیتوں کا جزو لاینفک بن چکا تھا اور انؓ کے پورے وجود میں سرایت کر چکا تھا۔ یہ تھا قرآن کا حق جو انہوں نے ادا کیا تھا۔ عالم یہ تھا کہ کسی کے پاس ہڈی پر لکھی ہوئی چند سورتیں تھیں۔ اونٹ کے شانے کی ہڈی چوڑی بھی ہوتی ہے اور ہموار بھی۔ اس پر لکھتے تھے۔ یا جھلیوں پر لکھتے تھے یا کسی کو کاغذ میسر آ گیا تو اس پر چند سورتیں لکھی ہوئی تھیں ـــــ لیکن اس قرآن نے دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس قرآن نے دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ وہ ہمہ گیر انقلاب کہ آج بھی جب اس کی یاد تازہ کی جاتی ہے تو آدمی دنگ رہ جاتا ہے کہ بیس برس کے مختصر ترین عرصہ میں آج سے چودہ سو سال قبل اتنا عظیم و ہمہ گیر انقلاب!! ـــــ اور آج چالیس من وزنی قرآن زیارت کے لیے رکھا ہوا ہے جس کے حروف سونے کے تاروں سے لکھے گئے ہیں۔ تو کیا یہ ہے قرآن کا اصل مصرف؟

وقت کی کمی کے پیشِ نظر میں اختصار کے ساتھ عرض کروں گا کہ ہر مسلمان کے ذمہ قرآن مجید کے پانچ حقوق ہیں۔ اگرچہ معاملہ بقدرِ استطاعت اور بقدرِ صلاحیت و استعداد ہوگا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط "اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی وسعت کے مطابق ذمہ دار اور مکلف ٹھہراتا ہے۔" تاہم یہ بات سامنے رہنی لازمی ہے کہ ہمارا یہ طرزِ عمل بالکل غلط ہے کہ ہم حصولِ دنیا کے لیے تو خوب بھاگ دوڑ کرتے ہیں اور اس تگ و دو میں ہماری استعداد و استطاعت اور اہلیت و صلاحیت کا بھرپور اور نتیجہ خیز مظاہرہ ہوتا ہے، لیکن دین کے لئے ہم عذر پیش کر دیتے ہیں کہ ہم میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔ ذرا غور کیجیے اور انصاف فرمائیے کہ اگر صلاحیت و اہلیت نہیں ہے تو دنیوی کاموں میں کیسے ظاہر ہو رہی ہے! تمہارے کاروبار چمک رہے ہیں، تم اپنے پروفیشن میں نام پیدا کر رہے ہو۔ تم میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے ایک نہیں، دو دو تین تین مضامین میں پی ایچ ڈی کر رکھی ہے۔ لیکن ان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ عربی سیکھتے اور براہِ راست قرآن پڑھتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے۔ ایسے لوگوں کا عدمِ صلاحیت و اہلیت کا عذر اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ ہاں واقعتہً کسی میں استعداد نہ ہو، وہ پیدائشی غبی اور کند ذہن ہو، یا بیچارا

حالات کی وجہ سے اَن پڑھ رہ گیا ہو تو ایسے لوگوں سے ان ہی اعتبارات سے مواخذہ ہوگا لیکن اگر آپ میں صلاحیت و استعداد موجود ہے اور آپ نے اس کا رُخ کسی اور طرف موڑ دیا ہے تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ تاہم اصولاً یہی کہا جائے گا کہ :

ہر مسلمان پر حسبِ صلاحیت و استعداد قرآن مجید کے پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں۔

میں نے یہ حقوق قرآن و سنّت سے ماخوذ کیے ہیں' اور وہ یہ ہیں :

- سب سے پہلا یہ کہ اسے مانو جیسے اسے ماننے کا حق ہے۔
- دوسرا یہ کہ اسے پڑھو جیسے کہ اسے پڑھنے کا حق ہے۔
- تیسرا یہ کہ اسے سمجھو جیسے کہ سمجھنے کا حق ہے۔
- چوتھا یہ کہ اس پر عمل کرو جیسے کہ عمل کا حق ہے ـــــ اور
- پانچواں یہ کہ اسے دوسروں تک پہنچاؤ جیسے اسے پہنچانے کا حق ہے۔ اس لئے کہ بحیثیتِ اُمتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا یہ فرض منصبی ہے۔

یہ پانچ حقوق ہیں جن کو میں نے نہایت سادہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اب میں ان میں سے ہر ایک کی اختصار کے ساتھ وضاحت کروں گا۔ ویسے بحمد اللہ اس موضوع پر میرا کتابچہ موجود ہے۔ جن حضرات کے دلوں میں قدرے تفصیل جاننے کا اشتیاق پیدا ہو' ان سے میں گذارش کروں گا کہ وہ اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

پہلا حق : اس پر ایمان لاؤ!

میں نے قرآن مجید کے یہ جو پانچ حقوق بیان کئے ہیں' ان میں سے ہر ایک کے لئے قرآن مجید اور سنّتِ رسول علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کی اصطلاحات ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے درجات ہیں ـــــ ماننے کی اصطلاح کیا ہے! **ایمان**۔ اب اس ایمان یعنی ماننے کے بہت سے درجے ہیں۔ کہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اور کہاں ہم میں سے کسی کا ایمان! ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک! ـــــ حالانکہ ہے تو ایمان ہی لیکن درجے مختلف ہیں۔ البتہ ایمان کے دو درجے سمجھنے بہت ضروری ہیں۔ ایک ماننا ہے قانونی درجہ میں کہ ہم نے زبان سے اقرار کر لیا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ ایک ماننا ہے دل کی گہرائی سے جس سے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ یہ واقعتہً اللہ کا کلام ہے۔ اصل میں یہ ماننا اور یہ ایمان مطلوب ہے۔ اقرار باللسان تو ہمیں خود بخود حاصل ہو گیا چونکہ ہم مسلمانوں میں پیدا

ہو گئے۔ لہٰذا ہم زبان سے تو مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے لیکن اس ماننے سے نہ اس کی طرف ہمارا التفات ہے، نہ توجہ ہے، نہ ہم اسے پڑھتے ہیں نہ ہم اسے سمجھتے ہیں۔ اس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کا کیا سوال! بس ایک کتابِ مقدس کے طور پر اسے مان لیا ہے۔ لیکن جب آپ دل کی گہرائی سے اور تصدیق بالقلب کی کیفیت سے مانیں گے کہ یہ واقعی اللہ کا کلام ہے۔ تو پھر آپ کے دل میں اس کی عظمت پیدا ہو گی اور اس کی قدر و منزلت اور اہمیت کا شعور حاصل ہو گا۔ اس تصدیقِ قلبی کے بغیر اگلا قدم نہیں اٹھ سکے گا۔ اگر آپ کو اس کے کلام اللہ ہونے پر یقینِ قلبی ہی حاصل نہیں ہے تو آپ کا ہے کو اسے پڑھنے پر وقت لگائیں گے! اس کو سمجھنے پر کاہے کو اپنی صلاحیتیں کھپائیں گے! کاہے کو آپ اس پر عمل کا کھکھیڑ مول لیں گے اور کاہے کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری سنبھالیں گے! لہٰذا سب سے پہلے تو یقین کی ضرورت ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اب یہاں ایک عملی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ یقین کیسے پیدا ہو؟ اس کا جواب میں نے اپنے کتابچہ میں دیا ہے۔ لہٰذا جن حضرات کو دلچسپی ہو وہ اس کا مطالعہ ضرور کر لیں۔

دوسرا حق: اس کی تلاوت کرو!

اب آئیے دوسرے حق کی طرف۔ "اُسے پڑھو جیسے کہ اسے پڑھنے کا حق ہے"۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا: اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ (البقرہ: ۱۲۱) "وہ لوگ جنہیں ہم کتاب دیتے ہیں وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جیسے کہ اس کی تلاوت کا حق ہے"۔ اس کا کیا مفہوم ہے، اِحقِ تلاوت کیا ہے! سب سے پہلے یہ کہ قرآن مجید کے حروف کے مخارج صحیح ادا ہو رہے ہوں۔ اس کا نام تجوید ہے۔ کبھی یہ ہماری تعلیم کا نقطۂ آغاز ہوا کرتا تھا۔ ہر مسلمان بچہ سب سے پہلے نورانی قاعدہ، یا یسرنا القرآن پڑھا کرتا تھا۔ ان کے ذریعے سے اسے قرآن کے حروف کی شناخت اور ان کے مخارج کا صحیح علم اور ساتھ ہی قرآن مجید کے رموز و اوقاف کا صحیح علم حاصل ہوتا تھا۔ ان سب کو سمجھ کر قرآن کو پڑھنا — یہ پہلا اور ابتدائی حق ہے۔ پھر یہ کہ اس کا جتنا زیادہ سے زیادہ حصہ یاد کیا جا سکتا ہے اسے یاد کیا جائے۔ حفظِ قرآن کا الحمدللہ ہمارے یہاں پھر چرچا ہوا ہے اور اکثر لوگ اپنے کسی نہ کسی بچے کو بچپن میں ضرور حفظ کرا دیتے ہیں بہت سے کھاتے پیتے گھرانوں میں بھی یہ روایت پڑ گئی ہے۔ یہ بھی اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ تقسیم

کے وقت جو شہر ہندوستان میں رہ گئے ہیں ان میں سے پانی پت، ٹونک، سہارن پور اور بہت سے دوسرے شہر ایسے تھے جن میں یہ خصوصی روایت تھی کہ ہر خاندان کم از کم ایک بچے کو ضرور حفظ کراتا تھا۔ جیسے انڈونیشیا میں ماضی قریب تک یہ روایت قائم رہی ہے کہ شادی کے فوراً بعد نوبیاہتا جوڑے حج کے لئے جاتے تھے۔ حج کے لئے بہترین عمر یہی جوانی کی عمر ہے اور پھر ابھی بال بچے بھی نہیں ہیں کہ جن میں دل پڑا رہے اور دورانِ حج میں وہ یک سوئی حاصل نہ ہو سکے جو مطلوب ہے۔ بہرحال ہمارے یہاں بھی تقسیم سے قبل یہ روایت رہی ہے کہ قریباً ہر خاندان میں ایک حافظ ہوتا تھا اور اس گھر کو منحوس سمجھا جاتا تھا، جس میں کوئی حافظ نہ ہو۔ گو اب یہ صورتِ حال تو باقی نہیں رہی تاہم بفضلہٖ تعالیٰ چند برسوں سے بعض مخلص حضرات اور اداروں کی کوششوں سے حفظِ قرآن کا کافی چرچا ہے۔ لیکن میں دوسرے حفظ کی بات کر رہا ہوں کہ ہر مسلمان یہ سمجھے کہ میرا اصل سرمایہ وہ قرآن ہے جو میرے سینے میں محفوظ ہے۔ ایک پارہ ہو، دو تین ہوں یا اس سے زیادہ ہوں، ان کی حفاظت کرتا رہے اور مزید اضافے کے لیے کوشاں رہے۔ اس حفظِ قرآن سے کوئی مسلمان محروم نہ رہے۔ مجھے بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ بات عرض کرنی پڑ رہی ہے کہ ہماری مساجد کے اکثر و بیشتر حضرات کا حال یہ ہے کہ قرآن کے چند مقامات اور گنتی کی سورتوں کے سوا کچھ یاد نہیں ہے۔ جہری نمازوں میں انہی کو بار بار دُہرا لیا جاتا ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ، صاحبِ ذوق لوگ بھی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس اعتبار سے یہ بڑی محرومی ہے کہ قرآن کے حفظ میں اضافہ کے ذوق میں حد درجہ کمی ہو چکی ہے۔

پھر تلاوتِ قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے اچھی سے اچھی آواز اور زیادہ سے زیادہ خوش الحانی سے پڑھا جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ "قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کیا کرو"۔ اس معاملہ میں کوتاہی پر تنبیہ بھی فرمائی: مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَیْسَ مِنَّا۔ "جو قرآن کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں" (ابوداؤد) ـــــ پھر اس کے آداب ہیں۔ تلاوت کے لیے باوضو دوزانو ہو کر قبلہ رُخ بیٹھیے۔ مصحف کا ادب اور اس کی تعظیم کیجئے۔ تلاوت کی ابتدا تعوذ سے کیجیے ـــــ البتہ ان آداب کے ضمن میں یہ بات جان لیجیے کہ جب تلاوت حصولِ ثواب یا تذکر کی نیت سے کی جا رہی ہو تو ان آداب میں سے کسی میں بھی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تعلیم و تعلّم یا درس و تدریس کے لیے قرآن پڑھا جائے، مثال کے طور پر جو بچے ناظرہ پڑھ رہے ہوں یا حفظ کر رہے ہوں، ان کو علماء کرام نے ان پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ پھر یہ کہ تلاوت کا معمول ہونا چاہیئے۔ اللہ توفیق دے تو روزانہ زیادہ سے زیادہ حصّہ کی تلاوت کریں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین روزانہ قرآن کی ایک منزل تلاوت

کرکے سات دن میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا اور ہمارے ذوق وشوق اور جوش و جذبے میں کمی آگئی تو قرآن مجید کو تیس پاروں میں تقسیم کیا گیا کہ چلیے روزانہ ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینہ میں قرآن ختم کرلیا جائے۔ ماضی قریب میں ہمارے یہاں کثرت سے اس کا معمول تھا۔ مجھے اپنے بچپن کی بات یاد ہے کہ اکثر مسلمان یہ کوشش کرتے تھے کہ ایک پارہ کی روزانہ تلاوت کریں لیکن آج کل اگر آپ کسی روزانہ کی مصروفیات میں اتنا اضافہ ہوگیا ہے کہ آپ روزانہ ایک پارے کی تلاوت کے لیے بھی وقت نہیں نکال پاتے تو بر سبیل تنزل آپ پون پارہ پڑھئے، نصف پڑھئے، پاؤ پڑھئے، ایک رکوع ہی پڑھ لیجئے لیکن اس کو زندگی کا معمول بنائیے۔ آپ کا کوئی دن تلاوتِ قرآن سے محروم نہ رہے ـــــ یہ تمام چیزیں " یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ " میں شامل ہیں۔

تیسرا حق: اسے سمجھو اور اس پر غور وفکر کرو!

اب آئیے تیسرے حق کی طرف۔ " قرآن کو سمجھئے جیسے کہ اسے سمجھنے کا حق ہے " اس سمجھنے کے بھی دو درجے خاص طور پر قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں۔ ایک سمجھنا ہے نصیحت اخذ کرنے کے لیے۔ اس کو قرآن کی اصطلاح میں کہتے ہیں " تذکر بالقرآن " یعنی قرآن سے ہدایت ونصیحت حاصل کرلینا۔ اور ایک درجہ ہے ' تدبرِ قرآن ' یعنی قرآن پر غور کرنا۔ اب سمجھئے کہ غور کسے کہتے ہیں! یہ لفظ غار سے بنا ہے۔ عربی میں غار کہتے ہیں زمین میں بہت گہرے گڑھے کو۔ غور کرنے سے مراد ہوگا کہ قرآن کی گہرائیوں میں اترا جائے۔ علامہ اقبال نے اسے یوں تعبیر کیا کہ " قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں " یہ قرآن علم وعرفان کا اتھاہ اور ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس میں غوطے لگاؤ، اس کے علوم وعرفان، اس کے معارف ومعانی اور حقائق ومفاہیم کے موتی وجواہر کی جستجو کرو اور ان کو نکال کر لاؤ۔ پس جان لیجیے کہ قرآن فہمی کے یہ دو درجے ہیں۔ ایک ہے تذکر اور ایک ہے تدبر۔ تذکر کے لئے قرآن بہت آسان ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ القمر میں اللہ تعالیٰ نے چیلنج کے انداز میں چار مرتبہ فرمایا: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (آیات ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰) یعنی ہم نے ذکر کے لئے نصیحت و یاد دہانی کے لیے اور ہدایت اخذ کرنے کے لئے قرآن کو آسان بنا دیا ہے۔ تو ہے کوئی اس یاد دہانی سے فائدہ اٹھانے والا اور اس سے نصیحت اخذ کرنے والا! ـــــ اس تذکر بالقرآن کے لیے صرف ایک چیز ضروری ہے وہ یہ کہ اتنی عربی آپ کو آنی چاہیئے کہ جب آپ قرآن پڑھیں تو اس کا ایک سادہ سا مفہوم روانی کے ساتھ آپ کے قلب پر اترتا اور اسے منور کرتا چلا جائے ـــــ اس لئے کہ جب آپ ترجمہ کی مدد سے پڑھتے ہیں تو تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اور نتیجۃً اصل تاثیر نہیں رہتی، اگرچہ علم تو حاصل ہوتا ہے۔ علم کا تعلق ذہن سے ہے اور تاثر کا قلب سے

قرآن کا جو اثر انسان کے جذبات پر پڑنا چاہیئے ترجمہ اور حواشی کی طرف بار بار رجوع کرنے سے اس تاثر کا تسلسل برقرار نہیں رہتا۔ قرآن کی تاثیر سے جذبات میں جو ارتعاش برپا ہونا چاہیئے اور قرآن کو آپ کے باطن کی گہرائیوں میں اتر کر آپ کے قلب کے تاروں کو جو چھیڑنا چاہیئے تو وہ تار نہیں چھڑتے ۔ یہ ضرور ہے کہ ترجمہ اور حواشی کی مدد سے قرآن پڑھتے سے معلومات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن تھوڑی بہت عربی آتی ہو اور تسلسل کے ساتھ تلاوت ہو تو اس کی اپنی تاثیر ہے۔ البتہ کوئی اشکال محسوس ہو یا کوئی ثقیل یا نامانوس لفظ آجائے تو ترجمہ اور حواشی کی طرف رجوع کرنا مفید ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی جان لیجیے کہ قرآن مجید نہایت سلیس اور سادہ زبان میں ہے۔ یہ عربی مبین ہے، یعنی روشن عربی۔ بلکہ اسے ادب کی اصطلاح میں سہلِ ممتنع کہنا درست ہوگا کہ انتہائی آسان الفاظ میں، انتہائی اعلیٰ مضامین و مفاہیم ادا کیے جائیں۔ لہٰذا میری دیانت دارانہ رائے یہ ہے کہ تذکر بالقرآن کے لئے عربی کی اس قدر تحصیل ضروری ہے کہ قاری قرآن مجید کا ایک رواں ترجمہ خود سمجھ سکے۔ اسے مشکل نہ سمجھئے۔ عربی زبان کو خواہ مخواہ ہوا بنا دیا گیا ہے جب کہ یہ بڑی سائنٹفک زبان ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ اسے بہت جلد سیکھ سکتے ہیں جنہوں نے بی۔ اے اور ایم۔ اے کیا ہو یا ڈاکٹری اور انجنیرنگ جیسے مشکل علوم و فنون حاصل کئے ہوں لیکن اس کے لئے لگن اور ضرورت کا شدید احساس ناگزیر ہے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں اور تجربات کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ تذکیر، نصیحت اور یاد دہانی حاصل کرنے کے لیے اس شخص کے لئے قرآن بڑی سادہ کتاب ہے، جس نے عربی زبان کی صرف و نحو کے چند بنیادی اصول سیکھ لیے ہوں اور ان کی تمیز حاصل کر لی ہو۔ اس لیے کہ قرآن کا اصل موضوع اور اساسی مضامین فطرتِ انسانی کے جانے پہچانے ہیں اور قرآن کو بامعنی پڑھتے ہوئے ایک سلیم الفطرت انسان محسوس کرتا ہے کہ وہ خود اپنے باطن میں مستور بدیہیات سے واقف ہو رہا ہے اور اپنی فطرت کی آواز کو دل کے کانوں سے سن رہا ہے۔ پھر یہ کہ قرآن کا طرزِ استدلال منطقی نہیں ہے۔ وہ آفاق و انفس کی نشانیوں سے انسان کو جگاتا اور اسے حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ پھر یہ کہ مشکل مضامین کو نہایت سادہ اور دل نشین مثالوں کے ذریعے سے آسان بنا کر قلب پر اثر ڈالتا ہے۔ اس پر نورٌ علیٰ نور قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور سلاست کی وہ معراج ہے جس کے سامنے عرب کے نامی گرامی شعراء، خطبا اور ادبا سرنگوں ہو گئے تھے اور انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

البتہ تدبر قرآن وہ شے ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس کی گہرائیاں نا کلام ہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث میں قرآن حکیم کے

بارے میں یہ الفاظ نقل ہوئے ہیں: وَلَا یَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ "اور اہلِ علم اس (کتاب) سے کبھی سیر نہیں ہوسکیں گے" اور وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُهٗ۔ "اور نہ کثرت و تکرارِ تلاوت سے اس کے لطف میں کوئی کمی واقع ہوگی اور نہ ہی اس کے عجائبات (یعنی نئے نئے علوم و معارف کے خزانے) کبھی ختم ہوسکیں گے"۔ علماءِ حقانی اس قرآن پر غور و تدبّر کرتے رہیں گے۔ اس کام میں ساری ساری عمریں لگا دیں گے۔ کتنے ہی امام رازیؒ، امام زمخشریؒ اور ان کے پائے کے بے شمار مفسّرین قرآن آئیں گے جو یہ کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوں گے کہ حقِ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ قرآن مجید میں کتنے ہی مقامات ایسے آئیں گے کہ بڑے بڑے فضلاء، علماء اور مفکّرین گھٹنے ٹیک دیں گے اور یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ: اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا الْمَقَامَ مَقَامٌ غَامِضٌ عَمِیْقٌ مُهِیْبٌ "ہوشیار ہو جاؤ کہ یہ مقام بہت مشکل ہے، بہت گہرا ہے، بہت غامض ہے بہت پُرہیبت ہے"۔ امام رازیؒ کو یہ کہنا پڑ رہا ہے تو "تا بہ دیگراں چہ رسد!"۔ اس کی ایک مثال میں نے اپنے کتابچے میں دی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "میں نے صرف سورۃ البقرہ پر آٹھ سال تک تدبّر کیا ہے"۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ انہیں نہ عربی سیکھنی تھی اور نہ صرف و نحو پڑھنے کی ضرورت تھی۔ عربی ان کی مادری زبان تھی اور ان کی خطابت اور زبان دانی کا چرچا تھا۔ اور انہیں شانِ نزول کی روایات کی چھان بین کرنے کی بھی کوئی احتیاج نہیں تھی۔ وہ تو خود اس ماحول میں رہ رہے تھے، جس میں قرآن نازل ہو رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قرب رکھتے ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ جیسے جلیل القدر فقیہہ الامت کے فرزند ہیں۔ لیکن صرف سورۃ البقرہ پر تدبّر اور غور و فکر میں آٹھ سال لگائے ہیں۔ اب آپ اندازہ کیجیے کہ پورا قرآن سورۃ البقرہ سے بارہ تیرہ گنا ہے، تو کسی کی سو اسو برس کی عمر ہو تو شاید وہ اس طریقے سے قرآن پر قابلِ لحاظ حد تک تدبّر کرسکے۔ میں پھر بھی یہ عرض کروں گا کہ اتنی عمر صَرف کرکے بھی کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن کے معانی آخری حد تک جان لیے ہیں اور میں نے اس کی تہہ تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ لیکن بایں ہمہ قرآن نے اپنے محلِ تدبّر ہونے کو بایں الفاظِ مبارکہ خود واضح کیا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (صٓ: ۲۹) "یہ قرآن ایک بڑی بابرکت کتاب ہے جو ہم نے (اے نبیؐ!) آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبّر (و تفکّر) کریں اور تاکہ ہوش مند لوگ، نصیحت حاصل کریں"۔ آپ نے دیکھا کہ اس آیۂ مبارکہ میں دونوں اصطلاحات آگئیں، یعنی تدبّرِ قرآن

اور تذکّر بالقرآن، جن کا میری گفتگو کے اس حصّہ سے تعلق ہے۔ پھر قرآن پر عدم تدبر کا گلہ ان الفاظ میں خود قرآن میں موجود ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (النساء: ۸۲) "کیا یہ لوگ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے"۔ پھر یہی شکوہ سورہ محمدؐ میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝ (آیت: ۲۴) "کیا یہ قرآن پر تدبّر نہیں کرتے! یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟" — قرآن حکیم پر تدبّر اور غور و فکر کا حقیقی تقاضا یہ ہے کہ اس کام کے لئے لوگ اپنی زندگیاں لگا دیں، کھپا دیں۔ یہ اتنا عظیم ترین کام ہے کہ اس کو ظاہر فرمانے کے لئے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

"تم میں سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھتے اور سکھاتے ہیں"

یعنی قرآن کی تعلیم و تعلّم کو اپنی زندگی کا اوّلین مقصد بنا لو، اس کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دو، اس کو اپنا CAREER بنا لو۔ اس سے اعلیٰ کام کوئی نہیں۔ یہ روایت صحیح بخاری کی ہے اور اس کے راوی خلیفۂ راشد ذوالنورین حضرت عثمان ابن عفّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جنؓ کی مظلومانہ شہادت سے عرشِ الٰہی تھرّا اٹھا تھا۔ پس نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے سمجھنے کے دو درجے ہو گئے۔ ایک تذکر بالقرآن اور دوسرا تدبرِ قرآن۔

چوتھا حق: اس پر عمل کرو!

اب آئیے چوتھے حق کی طرف۔ "قرآن پر عمل کرو جیسے کہ عمل کا حق ہے"۔ ظاہر بات ہے کہ عمل نہیں تو کچھ بھی نہیں، بلکہ وہ علم سخت ترین بازپرس کا باعث بن جائے گا جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ ایسا علم کسی درجہ میں بھی نفع کا ذریعہ بننے کے بجائے الٹا نقصان کا موجب بن جائے گا۔ اس لئے کہ علم کے مطابق عمل ہونا لازم ہے[1] اسی لئے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم

---

[1] "الاتقان فی علوم القرآن" کے حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہٗ نے "مبادی تدبر قرآن" میں روایت نقل کی ہے کہ: "ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ مجھ سے ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے جیسے حضرت عثمانؓ ابن عفان اور عبداللہؓ ابن مسعود وغیرہ کہ ان لوگوں کا دستور یہ تھا کہ اگر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے دس آیتیں بھی پڑھ لیتے تھے تو جب تک ان آیات کے تمام علم و عمل کو اپنے اندر جذب نہ کر لیتے تو آگے قدم نہ بڑھاتے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قرآن کے علم و عمل دونوں کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک ایک سورۃ کے حفظ میں وہ برسوں لگا دیتے تھے"۔

نے فرمایا: مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَہٗ (ترمذی) "جو شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرالے وہ قرآن پر ایمان ہی نہیں رکھتا"۔ گویا وہ جھوٹ بولتا ہے کہ میرا قرآن پر ایمان ہے۔ چنانچہ قرآن خود دو ٹوک فیصلہ سناتا ہے: وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ۝ ...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ...... فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (المائدہ: ۴۴، ۴۵، ۴۷) "اور جو کوئی فیصلہ نہ کرے اس کی نازل کردہ شریعت کے مطابق تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں ...... تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں ...... تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں"۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اللہ کی نازل کردہ کتاب، شریعت اور قوانین و ضوابط کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ تین بڑے جرائم کا مرتکب قرار دیا ہے۔ پہلا یہ کہ وہ کافر ہیں۔ ان کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنی ہے اور یہ کفر ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ ظالم ہیں۔ اگر یہاں ظلم کے لغوی معنی مراد لیے جائیں تو ان کا یہ فعل عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ اللہ کے احکام عدل و قسط پر مبنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس سے ہٹ کر ہر فیصلہ ظلم قرار پائے گا۔ اور یہ ایک نوع کا شرک ہے۔ تیسرا یہ کہ وہ فاسق ہیں۔ فسق کے معنی ہیں اپنی جائز حدود سے تجاوز کرنا، مراد ہے اللہ کی نافرمانی کرنا ـــــ ان آیات کے سیاق میں قرآن سے پہلے نازل کردہ دو کتبِ الٰہی تورات و انجیل کا ذکر ہے۔ آیت ۴۷ کے متصلاً بعد اڑتالیسویں آیت میں نزولِ قرآن کا ذکر ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ ط "اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اب ہم نے آپ پر بھی کتاب برحق نازل کی ہے (یعنی قرآن مجید) جو ان کتابوں کی جو پہلے سے موجود ہیں تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ بھی ہے۔ پس جو کچھ اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے۔ آپ اسی کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور جو حق آپ کے پاس آچکا ہے اسے چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"۔

سورۃ المائدہ میں باعادہ و تکرار یہ بات فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا ہے وہ اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کے مطابق فیصلے کرو۔ قرآن اس لئے نازل فرمایا کہ اس پر مبنی نظام قائم کرو۔ اس کے مطابق تمام جھگڑے نمٹاؤ۔ شریعت اس لئے نازل فرمائی کہ اس پر عمل پیرا ہو۔ اگر انفرادی و اجتماعی معاملات میں قرآن پر عمل نہیں اور نہ عمل کا ارادہ

ہے تو قرآن کو اللہ کی کتاب ماننا، اس کی تلاوت کرنا اور اسے سمجھنا بیکار ہو جائے گا۔ میری اس بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو اقوال مبارکہ سے سمجھیے۔ پہلا قول ہے: اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ "قرآن یا تمہارے حق میں حجت بنے گا یا تمہارے خلاف حجت بنے گا۔ یعنی اگر تمہارا عمل اس کے مطابق ہوگا تو تمہارا شفیع بنے گا۔ بصورت دیگر تمہارے خلاف مستغیث بن کر کھڑا ہوگا اور دعویدار ہوگا کہ اے اللہ! یہ شخص مجھ پر ایمان رکھنے کا مدعی تھا۔ میری تلاوت کرتا تھا، مجھے سمجھنے کے لئے وقت صرف کرتا تھا۔ لیکن اس نے میری ہدایات و تعلیمات پر نہ عمل کیا اور نہ عمل کرنے کا عزم و ارادہ کیا۔ دوسرا قول مبارک ہے: اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُهَا۔ "میری امت کے منافقین کی بڑی تعداد قُرّاء پر مشتمل ہوگی"۔ یہاں قاری سے مراد عالم ہے۔ قرونِ اولیٰ میں جو قاری ہوتا تھا وہی عالم بھی ہوتا تھا۔ ہمارے یہاں اس وقت جو تقسیم نظر آتی ہے کہ قاری اور ہے، عالم اور ہے، جو تجوید جانتا ہو اور قرآن کی خوش الحانی سے قرأت کرتا ہو، وہ ہمارے نزدیک قاری ہے، چاہے وہ عربی بالکل نہ جانتا ہو۔ وہاں اس کا تصور ہی نہیں تھا۔ عالم ہی کو قاری کہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت کے منافقین میں اکثریت قرّاء یعنی علماء کی ہوگی۔ ایسا کیوں ہوگا؟ اس لئے کہ سب سے زیادہ علم ان کے پاس ہوگا۔ اور اگر علم کے مطابق عمل نہ ہوا تو "لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ" کی زد میں سب سے پہلے وہی آئیں گے۔ جس بے چارے کا علم تھوڑا ہے اور اس نے اس کے مطابق عمل کر لیا تو وہ اللہ کے یہاں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن جو علم کے لحاظ سے کوہ ہمالیہ ہے لیکن عمل کے اعتبار سے کچھ نہیں تو وہ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی زد میں آ رہا ہے کہ "اَكْثَرُ مُنَافِقِيْ اُمَّتِيْ قُرَّاءُهَا"۔ اللہ ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ لہٰذا اسلامتی کی راہ ایک ہی ہے کہ قرآن کا جتنا بھی علم حاصل ہو اس پر حتی الامکان فوری طور پر عمل شروع کر دیا جائے۔

لیکن اس عمل کے بھی دو درجے ہیں۔ ایک انفرادی عمل کا دائرہ ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ نماز پڑھو۔ یہ آپ پڑھ سکتے ہیں۔ یہ تو انگریز کے دورِ استعمار میں بھی پڑھی جاتی تھی اور اس حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی۔ جو چاہے پڑھ سکتا تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔ آپ رکھ سکتے ہیں۔ امریکہ میں ہوں، ہندوستان میں ہوں، خالص اور کٹر کافروں میں ہوں، تب بھی رکھ سکتے ہیں۔ کوئی پابندی نہیں، یہ آپ کا ذاتی فعل ہے۔ ایسے ہی اللہ نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نصاب اور مقادیر مقرر

فرمادیں، آپ آج بھی اُسے ہر قسم کے ماحول میں ادا کر سکتے ہیں۔ کوئی قانون اس راہ میں حائل نہیں ہوگا ــــ اب میری بات غور سے سماعت فرمائیے۔

احکام شریعت کا ایک دائرہ ہر مسلمان کے انفرادی عمل اور اس کی نجی زندگی سے متعلق ہے۔ اس انفرادی عمل کے لئے ہر مسلمان ہر وقت اور ہر آن مکلّف ہے۔ اگر عمل نہیں کر رہا تو اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ یہ فسق ہے، نافرمانی ہے، عصیان و عدوان ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا ماحول ٹھیک نہیں تھا۔ یا ہمارے یہاں اسلامی نظام قائم نہیں تھا اس لئے وہ بے عمل رہا۔ اگرچہ نظام قائم نہیں لیکن آپ نماز تو پڑھ سکتے ہیں۔ جہاں مسجدیں نہیں وہاں گھر میں پڑھ سکتے ہیں مسلمان معاشرہ موجود نہیں لیکن بہر حال روزہ تو تمہیں رکھنا ہے۔ اگر تم صاحبِ نصاب ہو تو معاشرے میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مستحقین تک زکوٰۃ تو پہنچا سکتے ہو۔ کھانے پینے کی چیزوں میں حلال و حرام کی پابندی کرنا تو تمہارا ذاتی فعل ہے کہ تم حرام کھاتے ہو یا اس سے اجتناب کرتے ہو، عورتوں کو ان کا حق وراثت ادا کرتے ہو یا رواج کے نام پر اور غیر مسلموں کی تقلید میں اللہ کے قانونِ وراثت کو پائے مال کرتے ہو۔ اس سے تمہیں کون روک سکتا ہے اسی طرح تم داڑھی رکھتے ہو کہ نہیں رکھتے یہ خالصتہً تمہارے ذاتی معاملات ہیں۔ اس کی جواب دہی تمہیں کرنی پڑے گی۔ تمہارا حال تو بقول علامہ اقبال یہ ہے کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

یا تم نے داڑھی کو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت نہیں سمجھا اور بہت بڑے دھوکہ میں رہے یا تم نے یہ سمجھا کہ سنّت پر عمل ضروری نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی گمراہی اور بہت بڑی ضلالت ہے ــــ اس دور کے بڑے بڑے فتنوں میں سے ایک بہت بڑا فتنہ انکارِ سنّت کا فتنہ ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ خالص انفرادی عمل ہے۔ اس کی جواب دہی ہر ایک کو کرنی ہے۔ دین کا جو یہ حصّہ ہے تو اس میں کسی رعایت کا سوال ہی نہیں ہے۔ اسی انفرادی عمل کے دائرے میں ایک نہایت اہم معاملہ اور آتا ہے جس سے ہم روز بروز نہ صرف غفلت برت رہے ہیں بلکہ نہایت ڈھٹائی کا وطیرہ اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ ہے ستر و حجاب یعنی پردے کا مسئلہ ــــ اور تمام تمدّنی طور طریقوں میں مساواتِ مرد و زن اور ہر میدان میں عورتوں کا مردوں کے شانہ بشانہ حصّہ لینے کا مکروہ ہی

نہیں، قرآنی احکام اور سنّت کے خلاف طرزِ عمل ـــــ اگر اللہ نے پردے کا حکم دیا ہے، ستر و حجاب کے احکام نازل کئے ہیں، اور مرد و عورت کے علیٰحدہ علیٰحدہ دائرہ کار کا تعیّن فرمایا ہے تو تاحال کوئی ایسا آرڈی نینس آپ پر نافذ نہیں ہوا کہ آپ کو قانوناً ان اوامر کی خلاف ورزی اور نواہی پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور ہونا پڑے۔ حکومت کی سطح پر اور مغرب زدہ طبقات کی طرف سے تحریص و ترغیب اور تشویق کا جو سیلاب ذرائع ابلاغ کی صورت میں آیا ہوا ہے، اسے تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیجئے۔ ہم فی الوقت اس معاملہ میں آزاد ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کے مختار ہیں۔ ترکی میں مصطفےٰ کمال نے پردے کے خلاف آرڈی ننس جاری کر دیا تھا اور برقعہ یا چادر اوڑھنا ممنوع قرار دے دیا تھا لیکن قریباً پچاس سال کی تاریخ گواہ ہے کہ ترکوں نے من حیث القوم اسے تسلیم نہیں کیا۔ اس کی اُس وقت سے تاحال مخالفت و مزاحمت اور مقاومت جاری ہے، جب کہ آج بھی وہاں ان لڑکیوں کو کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکالا جا رہا ہے جو چہروں پر نقاب ڈال کر آتی ہیں ـــ رضا شاہ پہلوی اوّل و دوم نے بھی ایران میں آرڈی ننس کے ذریعہ سے پردہ اور ستر و حجاب کے قوانینِ شریعت کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ خود ختم ہو گئے اور اب ایران میں پردہ اور ستر و حجاب کا جس قدر اہتمام ہے شاید ہی کسی دوسری مسلمان مملکت میں ہو۔ ایک ہم ہیں کہ یہاں ایسا کوئی آرڈی ننس موجود نہیں ہے، پھر بھی آپ کے گھر میں پردہ نہیں ہے اور ستر و حجاب کے اسلامی قوانین آپ کے گھروں میں پامال ہو رہے ہیں تو اس کی پوری ذمّہ داری آپ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ سے اس بارے میں بڑی سخت بازپرس ہوگی۔ چونکہ ایسا کوئی آرڈی ننس موجود نہیں ہے کہ خواتین برقعے اتار دیں۔ بے حجابانہ سڑکوں پر، مارکیٹوں میں، تفریح گاہوں میں مٹرگشت کریں۔ یہ لعنت ہم نے خود اپنے اوپر مسلّط کی ہے۔ حال یہ ہو گیا ہے کہ جس کے پاس چار پیسے ہو گئے اس کے گھر کی خواتین نے برقعہ اتار پھینکا۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ برقعے کی "لعنت" صرف غریب کے لئے ہے۔ یہ ہم نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا ہے۔ جس کو مالی حیثیت سے آسودگی حاصل ہوئی، اس نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ پردے اور ستر و حجاب کے شرعی احکام کو پاؤں تلے روند ڈالا۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں اور یہ بات بہت سوں کو بڑی ناگوار گزرتی ہے کہ ہم اپنے آپ کو مہاجر کہتے ہیں۔ لیکن ہم دنیا کے مہاجر تھے، دین کے مہاجر نہیں تھے۔ اگر خالصتہً دین کے لئے ہجرت کی ہوتی تو یہ نقشے نظر نہ آتے کہ وہ گھرانے جن کی عورتوں کی حفیظ جالندھری کے اس مصرع کے مصداق یہ کیفیت

تھی کہ " چشم فلک نے آج تک دیکھی نہ تھی ان کی جھلک "، جن کا دستور یہ تھا کہ اوّل تو باپردہ ڈولیوں میں آنے جانے کا التزام تھا، لیکن اگر تانگوں میں بیٹھنا ہوتو نہ صرف یہ کہ برقعوں سمیت بیٹھتی تھیں بلکہ ان تانگوں کے چاروں طرف چادریں تنا کرتی تھیں۔ وہ ہی خواتین اور وہ ہی گھرانے ہیں جن کی بہو بیٹیاں، پوتیاں اور نواسیاں آج سڑکوں پر بے حجاب ہی نہیں، نیم عریاں لباس میں گھومتی پھرتی نظر آرہی ہیں۔ ایسی عورتوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ نبی اکرمؐ کے الفاظ ہیں:

رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْآخِرَةِ

"بہت سی کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی" (بخاری: عن ام سلمہؓ)

لباس تو پہنا ہوا ہے لیکن اتنا باریک ہے کہ اس سے جسم جھلک رہا ہے یا لباس تنگ ہے کہ عورت کے لطیف جسم کے دلفریب اعضاء نمایاں ہو کر دعوتِ گناہ دیتے ہیں یا وہ اعضاء جیسے سینہ کا بالائی حصّہ، گردن، چہرہ، سر اور پورے کے پورے بازو کھلے ہوئے ہیں جن کا ڈھانپنا از روئے قانون ضروری ہے ۔ تو یہ ننگی ہیں۔ ننگی عورتیں آج برسرِ عام گھوم پھر رہی ہیں، اور یہ تمام خواتین مسلمان کہلاتی ہیں۔ بہرحال یہ بھی انفرادی عمل ہے۔ اس کے بارے میں ہرگز ہرگز یہ عذر قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ ہمارے ساتھ یہ مجبوری تھی یا وہ مجبوری تھی۔ یہ آپ کا اپنا فیصلہ ہے۔ اگر آپ کا اپنے گھر پر قابو نہیں ہے تو پھر آپ بحیثیت مرد گھر کے قوّام اور حاکم نہیں ہیں، محکوم ہیں ـــــ اور محکومی سے آزاد ہونے کی کوشش کرنا، محکومی کے بندھن توڑ دینا ایک مردِ حُر کی شان ہوتی ہے۔

لیکن اس سے آگے عمل کا ایک دائرہ اور ہے۔ وہ دائرہ یہ ہے کہ قرآن کے بعض تشریعی احکام وہ ہیں کہ جب تک نظام نہ بدلے ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً چور کا ہاتھ کاٹنا، یہ آپ نہیں کاٹ سکتے۔ غیر شادی شدہ مرد و عورت پر زنا کی حد یہ ہے کہ ان پر سو سو کوڑے برسائے جائیں۔ یہ سزا آپ نہیں دے سکتے۔ شادی شدہ مرد یا عورت کے زنا میں ملوّث ہونے کی حدّ رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ یہ کام آپ نہیں کر سکتے۔ قتلِ عمد میں مقتول کے ورثا کے ہاتھ میں فیصلہ کا حق ہے کہ وہ چاہیں تو معاف کر دیں، چاہیں تو خون بہا میں کوئی رقم لے کر چھوڑ دیں اور چاہیں تو قصاص میں اس کی جان لینے کا فیصلہ کریں۔ آپ از خود یہ فیصلے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح قتلِ ناحق کی دیت کا معاملہ ہے اور دوسرے بھی قوانین ہیں جن پر انفرادی طور پر کسی اقدام کی اجازت نہیں ہے۔ یہ قوانین ملک کے اجتماعی نظام سے متعلق ہیں۔ ان کا نفاذ اسی وقت ہو سکتا ہے۔ جب حکومت کی سطح پر فیصلے ہوں ـــــ اسی طریقے سے سود

کی حرمت کا معاملہ ہے ۔ اس سے آپ انفرادی طور پر تو بچ سکتے ہیں اور جس حد تک بھی بچ سکیں، یہ آپ پر واجب ہی نہیں فرض ہے ۔ البتہ ملک کے اقتصادی نظام کو سود کی غلاظت سے پاک کرنا انفرادی طور پر ممکن ہی نہیں ہے ۔ اس کا تعلق بھی ملک کے اجتماعی نظام سے ہے ۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک زمانہ وہ آئے گا کہ کوئی شخص چاہے سود سے بچ جائے لیکن سود کے غبار سے نہیں بچ سکے گا ۔ یہ تو جب ہی ممکن ہوگا جب الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق پورے کرۂ ارض پر اللہ کا دین غالب ہو جائے اور انشاء اللہ یہ ہو کر رہے گا ۔ آج کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ سود کے غبار سے بچا ہوا ہے ۔ لیکن یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ ساری عمر کرائے کے مکان میں رہے اور سودی قرضہ لے کر بنگلہ اور کوٹھی نہ بنائے ۔ لیکن کتنے ہی حاجی ہیں اور کتنے ہی مسجدوں کے متولی اور منتظمین ہیں، جنہوں نے سودی قرضے لے کر بلڈنگوں پر بلڈنگیں کھڑی کر رکھی ہیں ۔ اور بنک کے سود سے ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے ساتھ تیسرا کاروبار جمایا جا رہا ہے ۔

بہرحال آپ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے کہ جن اسلامی احکام و قوانین پر نظام کے بدلنے کی صورت ہی میں عمل درآمد ہو سکتا ہے اور ہم اس معاملہ میں مجبور ہیں تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ وہ یہ ہے کہ غیر اسلامی نظام کو بدلنے کی کوشش کرو! اگر جدّوجہد کر رہے ہو، تن من دھن لگا رہے ہو، وقت صرف کر رہے ہو، توانائیاں اور قوتیں کھپا رہے ہو ۔ تب تو اللہ کے یہاں بری ہو جاؤ گے اور یہ کہہ سکو گے کہ اے رب، جو کچھ ہمارے بس میں تھا اس سے ہم نے دریغ نہیں کیا ـــــ لیکن اگر یہ کام، یہ جدّوجہد، یہ سعی و کوشش نہیں کر رہے اور اسی ماحول میں زیادہ سے زیادہ آسائشیں اور اپنے معیارِ زندگی کو زیادہ سے زیادہ بلند کرنے اور مال دار ہی نہیں خالص سرمایہ دار بننے میں روز و شب صرف ہو رہے ہیں ۔ ساری بھاگ دوڑ، ساری تگ و دو، ساری توجہات دنیا کمانے میں صرف ہو رہی ہیں تو اچھی طرح جان لیجئے کہ دین کے اس حصّہ پر جس کا تعلق اجتماعی نظام سے ہے، عمل پیرا نہ ہونے کے بھی اللہ کے یہاں آپ مجرم قرار پائیں گے ـــــ یہ اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے کہ نظام کو بدلنے کی سعی و کوشش کا طریق کار کیا ہے!۔ اس ضمن میں "استحکام پاکستان" کے عنوان سے میرے جو مضامین قسط وار روزنامہ جنگ میں شائع ہوئے تھے، وہ اسی عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں[1]۔ اس کتاب کے مطالعہ سے "اسلامی انقلاب" کے منہج کے کچھ نہ کچھ خدوخال

---

[1] الحمدللہ اس کا دوسرا حصّہ بھی "استحکام پاکستان اور مسئلۂ سندھ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے (ادارہ)

آپ حضرات کے سامنے آسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں میری دس تقاریر "منہج انقلاب نبوی" یعنی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اجمالی مطالعہ، فلسفۂ انقلاب کے نقطۂ نظر سے، کے موضوع پر ماہنامہ میثاق میں شائع ہو چکی ہیں اور ان کے کیسٹس بھی موجود ہیں[1]۔ میں نے اسلامی انقلاب کا جو طریق و منہج سیرت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معروضی مطالعہ کے نتیجہ میں اخذ کیا ہے، اور جو حضورؐ ہی کی سیرت مطہرہ سے مستنبط کیا ہے اُسی کو میں نے ان تقاریر میں بیان کیا ہے۔ ان شاء اللہ جلد ہی ایک سلسلۂ مضامین اس موضوع پر شروع کروں گا کہ پاکستان کے موجودہ حالات میں عملاً اسلامی انقلاب کو برپا کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج انقلاب سے ہمیں کیا رہنمائی ملتی ہے اور احادیث شریفہ سے وہ کون سی اصولی ہدایات ہمیں ملتی ہیں، جن کو اس دور میں روبعمل لایا جا سکتا ہے[2]۔ اس وقت ان کے بیان کرنے کا نہ محل و موقع ہے اور نہ وقت۔ البتہ اصولی طور پر یہ بات گرہ میں باندھ لیجیے کہ عمل بالقرآن کے ذیل میں ایک عمل انفرادی ہے۔ اس پر ہر دم، ہر لحظہ، ہر آن ہر مسلمان مکلف ہے، میں بھی مکلف ہوں اور آپ بھی۔ عمل نہیں کر رہے تو ہم میں سے کوئی بھی عدالت خداوندی میں کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا۔ ہاں عمل بالقرآن کے ضمن میں اجتماعی نظام سے متعلق جو حصے ہیں، ان پر اس وقت تک عمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ نظام نہ بدلے۔ نظام بدلنے کا نام ہی انقلاب ہے۔ اس انقلاب اسلامی کو برپا کرنے کی جدّوجہد کرنا، اس کے لئے سعی و کوشش کرنا، اس کے لئے محنت و مشقت جھیلنا، اس کے لئے تن من دھن لگانا۔ یہ چیزیں گویا قائم مقام ہو جائیں گی، دین کے اُن حصوں پر عمل کرنے کی جن پر غیر اسلامی نظام کے مسلط و مستولی ہونے کی وجہ سے عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے، وہ علیم بالذات الصدور ہے۔ اگر ہم اس کے دین کی اجتماعی نظام پر اقامت کے لئے خلوص دل سے اور صحیح نہج پر جدّوجہد کرتے رہیں گے تو توقع ہے کہ وہ غفور و رحیم ہماری ان مساعی کو نظام سے متعلق حصوں پر عمل پیرا نہ ہونے کے عذر کے طور پر قبول فرمالے گا۔

پانچواں حق: اسے دوسروں تک پہنچاؤ!

اب آئیے پانچویں اور آخری حق کی طرف۔ ماننے، پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کے علاوہ قرآن مجید کا ہر مسلمان پر حسب صلاحیت و استعداد یہ حق بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے پھیلائے اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔ اس کے لئے قرآن حکیم کی اصل اور جامع اصطلاح "تبلیغ" ہے۔ اس تبلیغ کے ضمن

---

[1] الحمد للہ یہ دس تقاریر اسی عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہیں (ادارہ)

[2] الحمد للہ یہ سلسلۂ تقاریر ماہنامہ میثاق میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے کیسٹس بھی موجود ہیں۔ اللہ نے چاہا تو یہ بھی جلد کتابی شکل میں شائع ہو جائیں گی (ادارہ)

میں خاتم النبیین، سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے آخری خطبہ میں یہ ذمہ داری امت کو منتقل فرمائی ۔ آپؐ نے پہلے تو سوال کیا : اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ ؟ " لوگو! میں نے پہنچا دیا کہ نہیں؟ " اور پورے مجمع نے جواب میں عرض کیا : اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ " (حضورؐ!) بے شک ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ ادا فرما دیا، حق امانت ادا فرما دیا اور ہماری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی سوال تین مرتبہ دہرایا ـــــ اور تین دفعہ جواب لے کر پھر آپؐ نے آسمان کی طرف اپنی انگشت مبارک اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا : اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ " اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا " ـــ یہ مان رہے ہیں کہ میں نے تیرا پیغام، تیرا کلام، تیرا دین ان تک پہنچا دیا۔ پھر ان لوگوں سے جو حجۃ الوداع کے موقع پر موجود تھے اور جن کی تعداد بعض روایات میں سوا لاکھ تک آئی ہے مخاطب ہو کر فرمایا :

فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ

" اب پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں تک جو موجود نہیں ۔"

اس لئے کہ میری رسالت صرف تمہارے لئے نہیں ہے ۔ میں تو پوری نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں : وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ۔ پوری نوع بشر تک قرآن کی تبلیغ میری ذمہ داری ہے ۔ میں نے تم تک پہنچا دیا۔ اب میری طرف سے تم ذمہ دار ہو کہ اسے بنی نوع آدم تک پہنچاؤ۔ تبلیغ قرآن کی یہ ذمہ داری ہے جو نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سپرد فرما کر الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی ۔ اس تبلیغ قرآن کی ذمہ داری کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درجہ عام کیا اور ہلکا کیا ہے کہ ارشاد فرمایا : بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً ۔ "پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت!"۔ یہاں "عَنِّیْ" کا لفظ خاص طور پر قابل غور ہے ۔ انگریزی میں "On my behalf" جو مفہوم ادا کرتا ہے بالکل وہی مفہوم "عَنِّیْ" کا ہے ـــ اس حدیث کے ضمن میں لوگوں کو کچھ مغالطے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کا بیان کرنا، اس کو پھیلانا اور اس کی تبلیغ کرنا تو صرف ان علماء کرام کا کام ہے جنہوں نے چودہ یا سترہ علوم پڑھ رکھے ہوں ۔ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے ۔ اصل میں چودہ یا سترہ علوم واقعتہً ضروری ہیں لیکن ان کے لئے جو مسند افتاء پر بیٹھے ہوں۔ جنہیں فتاوی دینے ہوں کہ کیا جائز ہے کیا ناجائز ہے! کیا حلال ہے کیا حرام ہے! فلاں مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے! فلاں الجھن میں شریعت کیا حل بتاتی ہے! نکاح و طلاق کے احکام کیا ہیں! وراثت

کے قوانین کیا ہیں! مضاربت و مشارکت کے قواعد و ضوابط کیا ہیں! اور بہت سے وہ تشریعی و فقہی مسائل جن سے لوگوں کو تمدنی زندگی میں بارہا سابقہ پیش آتا ہے۔ یہ بہت بڑی، بہت بڑی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ میں اس کی اہمیت کی وضاحت کے لئے یہ بات نہایت زور دے کر کہہ رہا ہوں۔ اگر کوئی حدیث اور فقہ کا ماہر نہیں، قرآن و حدیث کے ناسخ و منسوخ سے واقف نہیں، مختلف ائمۂ فقہ کی آرا سے ناواقف ہے اور ان کے دلائل کو نہیں جانتا تو وہ کسی مسئلہ میں فتویٰ کیسے دے سکے گا۔! اس کے لئے صرف و نحو اور لغت میں مہارت کی بھی ضرورت ہے۔ پھر علم تفسیر و تاویل، اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ جیسے علوم پر جب تک انسان کی نظر نہ ہو وہ فتویٰ دینے کا اہل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کوئی دیتا ہے تو بڑی جسارت سے کام لے رہا ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے رہا ہے۔ علم کے بغیر اور لاعلمی کی بنیاد پر کوئی فتویٰ دیدینا درحقیقت اپنے آپ کو بڑے فتنہ میں ڈالنا ہے۔ یہ تمام احتیاطیں فتویٰ دینے کے لئے ملحوظ رکھنی ضروری ہیں، تبلیغ کے لئے نہیں تبلیغ قرآن کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام اجازت ہے کہ جس نے ایک آیت اچھی طرح سمجھ لی ہے، وہ ایک آیت پہنچائے "بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً" یا ارشاد اسی عموم کو واضح کر رہا ہے۔ جس نے آگے بڑھ کر ایک سورت سمجھ لی ہے، وہ ایک سورت پہنچائے، اسے عام کرے۔ یہ عمل جب تک عوامی سطح پر نہیں ہوگا، ہمارے معاشرے کی اور ہمارے عوام کی قرآن مجید سے جو دوری ہے اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ لہٰذا دعوت و تبلیغ کی بات اور ہے اور فتویٰ کی بات دوسری ہے۔ یہی اعتراض لوگ کبھی ہم پر کر دیتے ہیں، کبھی تبلیغی جماعت والوں پر کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ درس قرآن یا تبلیغ دین کے لئے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں جبکہ یہ لوگ علوم دینیہ سے واقف نہیں ہیں اور دینی مدارس سے فارغ التحصیل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ فتویٰ نہیں دے رہے ہوتے بلکہ وہ تو لوگوں کو خیر کی تلقین کرتے ہیں، نصیحت کرتے ہیں، بھلائی کی طرف بلاتے ہیں، عبادت رب کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب علم بتا دے کہ فلاں بات تم نے صحیح نہیں کہی ہے تو وہ اصلاح کر لیتے ہیں لہٰذا اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ بلکہ عوامی سطح پر دعوت الی القرآن اور دعوت الی الخیر اس دور کی شدید ترین ضرورت ہے۔ اور اس کے لئے بہت بڑے پیمانے پر منظم ہو کر کام کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ لیکن حال یہ ہو گیا ہے کہ نہ خود کچھ کرو اور نہ کسی اور کو کرنے دو۔ اس کا سارا نقصان کس کا ہوگا؟ تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ امت کے بگاڑ میں اضافہ ہوگا۔ تمہارا جو کچھ بگڑے گا وہ آخرت میں جا کر بگڑے گا۔ وہاں جو جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس کو سوچ لینا۔ دنیا میں تو کچھ بگڑتا

نہیں۔ نہ خود کچھ کرو، نہ کسی دوسرے کو کرنے دو۔ یہ اعتراضات عموماً وہی لوگ کرتے ہیں جو خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ لہٰذا اچھی طرح جان لیجئے کہ دعوت و تبلیغ، فتویٰ سے بالکل علیحدہ شے ہے۔ چنانچہ قرآن کی طرف دعوت دیجیے۔ قرآن کی تبلیغ کیجیے۔ اس کے لئے کوئی لمبے چوڑے علوم و فنون کی ضرورت نہیں۔ قرآن ناظرہ پڑھنا آتا ہے تو ناظرہ سکھاؤ۔ ترجمہ سیکھ لیا ہے تو ترجمہ سکھاؤ اگر کچھ مزید وضاحتیں تمہارے سامنے ہیں تو ان کو عام کرو۔ البتہ یہ احتیاط لازم و لابد ہے کہ کوئی شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ نہ کہے۔ آخر ہماری امت میں مفکرین گزرے ہیں، محدثین گزرے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین گزرے ہیں۔ پھر بحمد اللہ ہمارے اس دور میں بھی متعدد ایسے علماءِ عظام گزرے ہیں۔ جنہوں نے اردو میں قرآن حکیم کی تفاسیر کا بیش بہا اور بیش قیمت سرمایہ ہمارے لئے چھوڑا ہے۔ کیا مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ساری تفاسیر کا خلاصہ اپنی تفسیر معارف القرآن میں بیان نہیں کر دیا؟ کیا صاحب روح المعانی نے عربی کی تمام تفاسیر کا عطر اپنی تفسیر میں پیش نہیں کر دیا! آج ہمارے لئے کتنی سہولت ہے۔ آج ہمارے پاس صحابہ کرامؓ، تابعین اور سلف کے مفکرین و مفسرین کے تفسیر قرآن کے ضمن میں مستند اقوال موجود ہیں۔ ان بزرگان دین کے حوالے سے کہو جو کچھ کہنا ہو۔ ہر پڑھے لکھے مسلمان پر خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت لازم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ مبارک کی تعمیل میں کہ "بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً" چراغ سے چراغ جلائے۔ ایک آیت سیکھ لی ہے، اُسے دوسروں تک پہنچائے۔ اللہ توفیق دے تو عربی کی ناگزیر حد تک تحصیل کرے اور پھر شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کا ترجمہ اور اس پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حواشی سمجھ لے اور انہیں عام کرے۔ جو مزید گہرائی میں جانا چاہتا ہے اور فقہی مسائل کو بھی جاننا اور سمجھنا چاہتا ہے وہ مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تفاسیر 'معارف القرآن' سے استفادہ کرے۔ جدید ذہنوں تک قرآن کا پیغام پہنچانا ہو اور اس کی دعوت پہنچانا مقصود ہو تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی 'تفہیم القرآن' اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی مرحوم و مغفور کی 'تفسیر ماجدی' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ قرآن کے نظام اور اس کے اندرونی نظم بالخصوص سورتوں کے باہمی ربط و ضبط اور تعلق کو سمجھنے کا ذوق و شوق ہو تو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر 'تدبر قرآن' اس کے لئے مفید ہوگی ــــ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ کسی ایک شخص کی تفسیر آپ کے لیے کفایت نہیں کرسکتی۔ اس لئے کہ قرآن حکیم کے اتنے متعدد پہلو ہیں کہ سب پر بیک وقت عمیق نظر ڈالنا اور ان پر تدبر و تفکر کرنا کسی ایک شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ہر شخص اپنے

مزاج اور اپنی افتادِ طبع کے مطابق قرآن کو دیکھتا ہے ۔ مثلاً اس وقت میرے سامنے ایک میز رکھی ہوئی ہے ۔ جو حضرات داہنی طرف بیٹھے ہیں ، وہ ایک زاویہ سے اِسے دیکھ رہے ہیں اور اس کا ایک نقشہ ان کے ذہن میں قائم ہو رہا ہے ۔ جو لوگ بائیں طرف بیٹھے ایک دوسرے زاویہ سے اِسے دیکھ رہے ہیں ۔ ان کے ذہن میں اس کی تصویر کچھ اور ہے ۔ اور جو حضرات سامنے بیٹھے ہیں اور سامنے سے میز کو دیکھ رہے ہیں انہیں ایک تیسرے زاویہ سے اس کی شکل کچھ اور نظر آ رہی ہے ۔ اگرچہ میز ایک ہی ہے لیکن زاویۂ نگاہ کے فرق کی وجہ سے کسی کو اس کا کوئی ایک حصّہ زیادہ واضح طور پر نظر آ رہا ہے اور کسی کو کوئی دوسرا حصّہ ۔ اسی طرح قرآن مجید ایک ہی ہے ۔ لیکن جب اہل علم مختلف زاویوں (Angles) سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو کسی کے سامنے کوئی ایک پہلو اور کسی کے سامنے کوئی دوسرا پہلو زیادہ نمایاں ہو کر آتا ہے ۔ جس شخص کے دل میں دعوت رجوع الی القرآن اور تبلیغ قرآن کا کماحقہٗ فریضہ انجام دینے کا شدید داعیہ بیدار ہو اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ زیادہ سے زیادہ پہلوؤں کو جمع کرلے ـــــ بہرحال حسب صلاحیت و استعداد کسی نہ کسی درجہ میں قرآن کو عام کرنا اور پھیلانا اور اسے دوسروں تک پہنچانا ہر امّتیٔ محمد علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا فرض منصبی ہے ۔

الحمد للہ میں نے جو بات عرض کی تھی کہ ہر مسلمان پر حسب صلاحیت و استعداد قرآن مجید کے پانچ حقوق عاید ہوتے ہیں ۔ پہلا : ایمان و تعظیم ، دوسرا تلاوت و ترتیل ، تیسرا تذکّر و تدبر ، چوتھا حکم و اقامت اور پانچواں تبلیغ اور دعوت الی القرآن ۔ بفضلہٖ تعالیٰ دعونہ میں نے اپنی امکانی حد اور مقدور کے مطابق ان کو اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اب میں اس حدیث شریف کی تشریح و توضیح بیان کرنا چاہتا ہوں جو میں نے آغاز میں آپ حضرات کو سنائی تھی ۔ آپ دیکھیں گے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری باتیں جامعیت کے ساتھ اس ایک حدیث میں بیان فرما دی ہیں ۔

یہ حدیث حضرت عبیدہ مُلیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اسے امام بیہقیؒ اپنی کتاب ' شعب الایمان ' میں لائے ہیں ۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نوع کا خطبہ ہے ۔ حضورؐ فرماتے ہیں : یَا اَھْلَ الْقُرْاٰن " اے قرآن والو ! جن لوگوں نے یہ حدیث پہلے نہ سُنی ہو اُن کو یہ طرزِ تخاطب عجیب لگا ہوگا ۔ یہ خطاب ہم وزن ہے اس خطاب کے جو قرآن یہود و نصاریٰ کو دیتا ہے ۔ یَا اَھْلَ الْکِتَابِ ۔ مجھے اس اعتبار سے یہ حدیث بڑی پیاری

لگتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب ہو کر فرمایا : یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ "اے قرآن والو!" سبحان اللہ، کتنا پیارا خطاب ہے جو امتِ مسلمہ کو ملا۔ میں اپنی بعض تقاریر میں عرض کر چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ ہماری بہت سی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جن لوگوں نے غاصبانہ طور پر اپنے لئے "اہلِ القرآن" کا نام اختیار کر لیا ہے، ہم نے بھی اُن کو اسی نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ نام انہوں نے انکارِ سنّت و حدیث پر پردہ ڈالنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ ان کا اصل نام ہونا چاہیئے "منکرینِ سنّت اور منکرینِ حدیث" یہ ہماری بڑی نادانی ہے کہ ہم نے اُن کے اس غاصبانہ قبضے کو تسلیم کر لیا اور ان کو یہ نام الاٹ کر دیا جب کہ حقیقت میں 'اہل القرآن' وہ نہیں ہیں، ہم ہیں۔ اس حدیث شریف کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ کتنے بلیغ ہیں یہ الفاظ جن میں مسلمانوں پر قرآن مجید کے جو حقوق عاید ہوتے ہیں، ان کا کمال اختصار مگر جامعیت کے ساتھ احاطہ کر لیا گیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا : یَا اَھْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ ۔ " اے اہلِ قرآن! قرآن کو تکیہ مت بنالینا"۔ اس میں کتنی بلاغت و فصاحت ہے۔ حضورؐ خود فرماتے ہیں " اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ " "میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں" اور میں سمجھتا ہوں کہ فصاحت و بلاغت کی معراج ہے ان الفاظ مبارکہ میں کہ "لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ" کیا معنی! ایک تو آدمی تکیہ پر سہارا لیتا ہے لہٰذا ایک مفہوم تو یہ ہوا کہ اے اہلِ قرآن! اس قرآن کو محض ایک ذہنی سہارا نہ بنا بیٹھنا کہ ہم قرآن کو ماننے والے ہیں۔ ہمارا وطیرہ ہے کہ بس اپنے ذہن میں اس کتاب کی تقدیس کا ایک خانہ کھول رکھا ہے اور اسے اچھے سے اچھے جُزدان میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا ہے۔ کہیں قسم کھانے کی ضرورت پڑ جائے، چاہے وہ جھوٹی قسم ہو تو اس کتاب اللہ کے حوالہ سے کھا لی جائے اور جھوٹی شہادتوں کے لئے اس کی آڑ لے لی جائے۔ ہدایت حاصل کرنے کے لئے مطالعۂ قرآن خال خال ہی رہ گیا ہے۔ حصولِ ثواب کے لئے اس کی تلاوت کے التزام و اہتمام میں روز بروز کمی آ رہی ہے اور اب تو تلاوت کا زیادہ مصرف ایصالِ ثواب ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ یا بقول علامہ اقبال قرآن سے اتنا تعلق رہ گیا ہے کہ ؎

بآیاتش ترا کارے جُز ایں نیست کہ از یٰسین او آساں بمیری

جب کہ قرآن پر ایمان سے بڑی ذمہ داریاں عاید ہوتی ہیں اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اُن کو ادا کرنے کی فکر کریں نہ کہ اسے محض ایک ذہنی سہارا بنا لیا جائے ـــــ دوسرا مفہوم یہ ہوا کہ تکیہ پیٹھ کے پیچھے ہوتا ہے۔ تو اے اہلِ قرآن! اس قرآن کو پسِ پشت نہ ڈال دینا۔ جیسے سورۃ البقرہ

میں یہود و نصاریٰ کے متعلق فرمایا گیا ہے : نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ (آیت ۱۰۱) "جن لوگوں کو (اللہ کی طرف سے) کتاب دی گئی تھی، ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا" — یعنی وہ اس سے بے نیاز اور بے پروا ہو گئے ۔ تو اے اہلِ قرآن! تم ایسا ہرگز نہ کرنا — لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ ' میں یہ دونوں مفہوم آ گئے ۔ اس طرزِ عمل سے بچنا ہے تو پھر کیا کرنا ہے! اب وہ سنئے، حضورؐ نے آگے ارشاد فرمایا : وَاتْلُوْہُ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ مِنْ اٰنَآءِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ — "اس کو پڑھا کرو، اس کی تلاوت کیا کرو، جیسے اس کی تلاوت کا حق ہے، رات کے اوقات میں بھی اور دن کے اوقات میں بھی"۔ دوسری بات کیا فرمائی! وَافْشُوْہُ "اسے پھیلاؤ، اسے عام کرو"۔ یہ لفظ کیا ہے! آپ افشائے راز استعمال کرتے ہیں ۔ راز افشا ہو گیا یعنی راز کھل گیا، راز کی بات تھی عام ہو گئی، اس کا چرچا ہو گیا ۔حضورؐ نے وہ لفظ استعمال فرمایا : "اَفْشُوْہُ" اس قرآن کو عام کرو، اسے پھیلاؤ، اسے دوسروں تک پہنچاؤ اور چہار دانگِ عالَم کو اس کے نور سے منوّر کر دو ۔ تیسری چیز کیا فرمائی! وَتَغَنَّوْہُ — اس کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ قرآن کو غنا کے ساتھ، تغنّی کے ساتھ پڑھو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو ۔ میں اس کے ضمن میں آپ کو دو حدیثیں سنا چکا ہوں ۔ ایک یہ کہ : زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ — دوسری یہ کہ : مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ فَلَیْسَ مِنَّا — اس کے دوسرے معنی یہ بیان کئے گئے ہیں کہ اس قرآن کے ذریعے سے غنی ہو جاؤ، مستغنی ہو جاؤ، کسی کے سامنے اپنی احتیاج کے لئے دستِ سوال دراز نہ کرو ۔ قرآن سب سے بڑی دولت ہے، اس دولت سے دامن بھر لو، اللہ تمہیں غنی کر دے گا — آخری بات کیا فرمائی ؛ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ — "اور اس (قرآن) میں تدبّر کرو" — اس کی گہرائیوں میں غور و فکر کرو، اس کے معانی کے سمندر میں غوطہ زنی کرو ۔ میں اقبال کا یہ مصرع آپ کو سنا چکا ہوں کہ "قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان" جتنی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرو گے، علوم و معارف اور عرفان کے اتنے ہی قیمتی خزینے ملیں گے ۔ وَتَدَبَّرُوْا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ — "اور قرآن میں تدبّر کرو، غور و فکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" بامراد ہو جاؤ، کامران ہو جاؤ ۔ فوز و فلاح سے ہمکنار ہو جاؤ"۔ میں صمیمِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین یا ربّ العٰلمین!

اب صرف ایک بات اور عرض کرنی ہے ۔ میں نے کئی بار اپنے کتابچے کا ذکر کیا ہے جس کا عنوان ہے ۔ "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق"۔ الحمد للہ یہ کتابچہ تاحال کئی ایڈیشنوں کی صورت

میں قریباً دو لاکھ بلکہ اس سے بھی زیادہ کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس کے تراجم انگریزی عربی اور فارسی میں بھی شائع ہو چکے ہیں[1]۔ اس کتابچے کے بارے میں اس وقت مجھے ایک خاص بات عرض کرنی ہے کہ ۱۹۷۰ء کے اواخر میں جنرل یحییٰ خاں کے دورِ حکومت میں جب پاکستان میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن ہونے والے تھے، مجھ پر جمعیت علماء اسلام کی طرف سے شدید دباؤ پڑ رہا تھا کہ میں کرشن نگر (حال اسلام پورہ) کے حلقہ سے جہاں میری رہائش اور مطب تھا، جمعیت کے ٹکٹ پر الیکشن میں حصّہ لوں۔ میں نے بڑی معذرت کی لیکن بزرگوں کا اصرار بڑھتا چلا گیا۔ ادھر مجھے جماعتِ اسلامی کے ایک بزرگ کی طرف سے یہ اشارہ بھی ملا کہ اس حلقہ انتخاب سے میں اگر جمعیت کے ٹکٹ پر کھڑا ہوا تو جماعت اس حلقہ میں اپنا کوئی امیدوار کھڑا نہیں کرے گی ــــ اب میرے لئے شدید امتحان کا مرحلہ آ گیا۔ میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ فوراً پاکستان سے باہر چلا جاؤں تاکہ بزرگوں کے اصرار سے بچ سکوں۔ اللہ تعالےٰ نے دستگیری فرمائی اور میں حجازِ مقدس چلا گیا۔ اس طرح مجھے ۱۹۷۰ء کا پورا رمضان مدینہ منورہ میں گزارنے کی سعادت حاصل ہو گئی۔ آج بھی اس کی یادیں ہیں جن سے کبھی کبھی اپنے دل و دماغ کو معطر کر لیتا ہوں۔ آخری عشرے میں مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ ان کا معمول تھا کہ وہ ہر رمضان میں آخری عشرے میں مسجد نبویؐ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں اپنے اس کتابچے کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ پیش کیا اور ان سے استدعا کی کہ میں اسے بڑے پیمانے پر پھیلانا چاہتا ہوں، آپ اسے ایک نظر دیکھ لیں اور اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی اصلاح فرما دیں، میں اس کی اصلاح کر لوں گا۔ میں مولانا نوّر اللہ مرقدہٗ کا بڑا احسان مند ہوں کہ انہوں نے حالتِ اعتکاف میں مسجد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں اسے بالاستیعاب پڑھا اور صرف ایک مقام پر اصلاح تجویز فرمائی۔ میں نے اس کے مطابق اپنے فقرہ کو بدل دیا۔ مجھے آپ حضرات کو یہ بتانا ہے کہ پہلے ایڈیشن کے بعد سے جو بڑی محدود تعداد میں شائع ہوا، اب تک جو کتابچہ چھپتا رہا ہے اور پھیلتا رہا ہے، اس کے ایک ایک لفظ کو بحمد اللہ مولانا بنوری مرحوم و مغفور کی تصدیق و تصویب کی سعادت حاصل ہے۔

میں آپ کو دعوت دوں گا کہ مسلمانوں میں قرآن مجید، فرقانِ حمید کی طرف توجہ اور التفات پیدا

---

[1] الحمد للہ اس کا سندھی ترجمہ بھی انجمن خدام القرآن سندھ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔ پشتو میں ترجمہ کا کام ہو رہا ہے۔ مزید برآں انگلینڈ اور امریکہ و کناڈا میں بھی چند دینی ادارے اس کا انگریزی ترجمہ اپنے طور پر شائع کر چکے ہیں۔ (ادارہ)

کرنے کے لیے اس کتابچے کو ذریعہ بنائیے، اسے خود بغور پڑھئے اور دوسروں تک پہنچائیے۔
یہاں مبادا آپ کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ میں کتاب فروشی کر رہا ہوں، معاذ اللہ۔ اس کا کوئی حق تصنیف نہ میرا محفوظ ہے، نہ انجمن خدام القرآن کا، نہ تنظیم اسلامی کا۔ میری ہر تصنیف و تالیف ہوا اور پانی کی طرح عام ہے۔ میری ہر کتاب پر لکھا ہوتا ہے کہ اس کو شائع کرنے کی ہر شخص کو کھلی اجازت ہے۔ اس کو آپ چھاپئے، کوئی ادارہ چھاپے، مفت تقسیم کرے یا قیمت پر فروخت کرے، میری اور انجمن کی طرف سے کوئی قانونی اور اخلاقی پابندی سرے سے عائد نہیں ہے۔ میں اغلباً ۱۹۸۰ء میں جب پہلی بار دعوتی دورے پر امریکہ گیا تھا تو شکاگو میں جو بلیک مسلم ہیں ان کی ایک تنظیم ہے جس کے امیر وارث علی جاہ ہیں جو الحمدللہ صحیح العقیدہ مسلمان ہیں۔ تو میں نے ان کو اس انگریزی ترجمہ مطالعہ کے لئے دیا تھا۔ دوسری ملاقات میں انہوں نے اس کتاب کی تحسین کی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ اسے اپنی تنظیم کی طرف سے شائع کیجئے اور میرے نام کے بغیر شائع کیجئے۔ مبادا یہاں کے لوگوں کے لئے یہ بات حجاب بن جائے کہ یہ کسی پاکستانی کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ میری تمنا اور آرزو تو یہ ہے کہ یہ فکر عام ہو، مسلمان میں اعتصام اور تمسک بحبل اللہ کا جذبہ از سرِ نو بیدار ہو اور وہ رسولِ خاتم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس آلۂ انقلاب کو ہاتھ میں لے کر دنیا میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیں۔ میری حقیر سی توانائیاں اسی مقصد کے لئے لگ رہی ہیں۔ اور اسی کے لئے میں امسال آپ کے شہر کراچی میں یہ رمضان گزارنے اور تراویح کے دوران دورۂ ترجمۂ قرآن کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ میں یہ کام اپنے توشۂ آخرت کے پیش نظر انجام دے رہا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی پر میرا کامل ایمان ہے، جس کے راوی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے خلیفۂ راشد امیر المؤمنین فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ اور جسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ " اللہ تعالیٰ اس کتاب عزیز (کے اعتصام و تمسک) کی بدولت کچھ قوموں کو رفعت و عزّت اور سربلندی سے نوازے گا۔ اور اس (کتاب کو ترک کرنے) کے باعث کچھ قوموں کو ذلّت و نکبت سے دوچار فرمائے گا۔" علامہ اقبال نے جوابِ شکوہ کے ایک شعر میں اس حدیث کی ترجمانی کی ہے جو ایک لفظ کے تصرّف کے ساتھ آپ کو سناتا ہوں ؎

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور "ہم" خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

آج پوری دنیا میں مسلمان جس انحطاط اور ذلت و نکبت سے دوچار ہیں اور ضلالت و گمراہی کے اندھیارے ہمیں جس طوفانِ ہر طرف سے اپنے گھیرے میں لے رہے ہیں تو اس کا اصل سبب مہجوریٔ قرآن اور ترکِ قرآن ہے۔ ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں امت کو پیشگی متنبہ فرما گئے تھے اور حضورؐ کے خطبہ کے آخری الفاظ یہ تھے کہ:

وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تَضِلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللهِ

(مسلم شریف)

"(مسلمانو!) میں یقیناً تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کا سررشتہ اگر تم مضبوطی سے تھامے رہو گے تو تم ابدالآباد تک گمراہ نہ ہو سکو گے اور وہ چیز ہے کتاب اللہ۔"

بَارَكَ اللهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَنَفَعَنِي وَإِيَّاكُمْ بِالْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ۔

دُعا کی حقیقت

رمضان ۱۴۰۶ھ میں ڈاکٹر اسرار احمد کا دوسرا خطابِ جمعہ

* * *

الحمدللہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علی افضلھم وخاتم النبیّین محمدن الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

اما بعد فقد قال اللہ تبارک وتعالیٰ

اعوذ باللہ من الشیطٰنِ الرَّجِیْم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

وَقَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۝

صدق اللہ العظیم

وقال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم : اَلدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَۃِ

وقال صلّی اللہ علیہ وسلّم : اَلدُّعَاءُ ھُوَ العِبَادَۃُ

اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ۔

آپ حضرات کو یقیناً معلوم ہو گا کہ قرآن مجید کے ۲۳ ویں رکوع میں روزے کا حکم بھی آیا ہے ..... اس کی حکمت کا بیان بھی ہے اور روزے کے تفصیلی احکام بھی آئے ہیں۔ انہی کے ذیل میں یہ آیت مبارکہ وارد ہوئی ہے جس کی میں نے آج اولاً تلاوت کی ہے کہ و اذا

سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط "اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (انہیں بتا دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں!..... کہیں دور نہیں ہوں - اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "میں جواب دیتا ہوں (اور قبول کرتا ہوں) ہر دعا کرنے والے کی دعا کا جب بھی وہ مجھے پکارے' (جب بھی مجھ سے دعا کرے) فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ "تو چاہئے کہ وہ بھی میری پکار پر لبیک کہیں' یعنی میرے احکام کو مانیں اور تسلیم کریں" - وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ "اور مجھ پر پختہ ایمان اور یقین رکھیں" - لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ "تاکہ وہ رُشد و فوز سے ہمکنار ہوں" - بظاہر اس آیتِ مبارکہ میں نہ روزے کا ذکر ہے نہ رمضان کا' لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ ہر باشعور ہستی کے کلام میں ربط کا ہونا ضروری ہے۔ اور غیر مربوط کلام کسی باشعور ہستی کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جس سے بڑھ کر باشعور اور حکیم ہستی کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ کلام ربط سے خالی ہو! جن لوگوں نے ربط و تعلق آیات پر زیادہ توجہ صرف نہیں کی' واقعہ یہ ہے کہ وہ حضرات قرآن مجید کی حکمت و معرفت کے ایک بہت اہم پہلو سے محروم رہ گئے۔ یقیناً قرآن کی ہر آیت اپنی جگہ پر علم و حکمت اور معرفت و عرفان کا ایک بیش قیمت موتی ہے۔ لیکن جیسے آپ کسی ہار میں موتیوں کو پروتے ہیں تو اس کے نظم و ترتیب سے ان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ قرآن حکیم کا بھی ہے۔

لہٰذا قرآن مجید پر غور و فکر کے ضمن میں ضروری کہ انسان دو باتوں کو ملحوظ رکھے۔ ایک یہ کہ آیت کے الفاظ پر اپنی توجہات کو اس طرح مرتکز کر دے جیسے کسی نہایت لطیف اور خفیف ترین شے کے مشاہدے کے لئے مائیکرو سکوپ کو فوکس (FOCUS) کر دیا جاتا ہے۔ آیت کے ایک ایک لفظ پر غور و فکر کا حق ادا کیا جائے اور ان کی تراکیب پر تدبّر و تفکر کر کے انہیں خوب اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ پھر اس کا سیاق و سباق ملاحظہ کیا جائے اور اس ربط و تعلق سے آیتِ زیرِ غور میں جو نئے معنی اور نئی معرفت کا سراغ ملتا ہے اسے تلاش کیا جائے۔

سورۃ البقرہ کے ۲۳ ویں رکوع میں ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی آیت میں روزے کا حکم اور اس کی حکمت کا بیان ہے (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ) دوسری آیت میں ابتدائی احکام ہیں۔ تیسری آیت میں رمضان المبارک کا ذکر ہے اور اس پورے مہینے کے

روزوں کی فرضیت کا بیان ہے (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ...الخ) اس آیت پر میں شعبان کی آخری شب کو اور پچھلے جمعہ کو ناظم آباد کی مسجد میں تفصیلی گفتگو کر چکا ہوں۔ اس آیت کے بعد پھر یہ آیتِ مبارکہ وارد ہوتی ہے۔ جو اس وقت زیرِ گفتگو ہے پھر اس سے اگلی آیت میں روزے کے تفصیلی احکام آتے ہیں۔ جو اس رکوع کی طویل ترین آیت ہے۔ درمیان میں جو یہ موتی ٹکا ہوا ہے' اب ہم اپنی توجہات اس پر مرتکز کرتے ہیں۔

پہلے تو ہمیں یہ سمجھنا ہے کہ اس آیتِ مبارکہ کا اصل مضمون کیا ہے! اس میں دعا کی عظمت سامنے آ رہی ہے اور یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ جب کسی انسان کے دل میں اللہ کی طرف توجہ اور انابت پیدا ہو جائے اور اس کے دل میں اپنے رب سے تقرب حاصل کرنے کا ایک جذبہ ابھرے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے شخص کو سب سے پہلے تو یہ خوشخبری دیجئے کہ تمہارا رب کہیں دور نہیں ہے۔ اس ربّ سے ہم کلام ہونے کے لئے کہیں جنگلوں میں جا کر دھونی رمانے' کہیں پہاڑوں کی کھوؤں میں جا کر ڈیرا لگانے یا کہیں برفانی پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا کر تپسیائیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا کے دوسرے تمام مذاہب میں خدا کا جو بھی تصور رہا ہے' اسی کے ساتھ یہ تصور بھی رہا ہے کہ خدا سے قرب حاصل کرنے کے لئے آبادیوں کو چھوڑنا' گھر گرہستی سے ترکِ تعلق اور تجرّد کی زندگی ضروری ہے۔ چنانچہ آبادیوں اور گھروں کی آسائشوں کو چھوڑو' کہیں جنگلوں میں جاؤ' کہیں غاروں اور کھوؤں میں خاص آسنوں کے ساتھ بیٹھ کر پرماتما سے لو لگاؤ' کہیں ہمالیہ کی کسی برفانی چوٹی پر جہاں سرد ہوائیں چل رہی ہوں' ننگے بدن بیٹھو' کہیں کسی گڑھے میں اپنے آپ کو فنا کرو۔ یہ سو طرح کے جتن ہیں جو انسان اپنے تصورِ خدا کے مطابق اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے کرتا رہا ہے۔ انسان یہ ساری مشقیں اپنی دانست میں کسی اعلیٰ وارفع مقصد کے لئے جھیلتا ہے اور وہ ہوتا ہے اپنے تصورِ خدا کے مطابق اپنے خدا کا قرب حاصل کرنا۔ یہ انسان کی ایک فطری اور طبعی خواہش ہے۔

خواہ وہ اپنے رب کو صحیح طور پر پہچان نہ پایا ہو اور اس کی توحید کا بھی اسے صحیح ادراک نہ ہو سکا ہو' لیکن فطرتِ انسانی میں اپنے پیدا کرنے والے سے قرب و تعلق قائم کرنے کا جذبہ طبعی اور فطری طور پر موجود ہے۔ جیسے انسان کو بھوک لگتی ہے۔ چاہے وہ جانتا نہ ہو کہ یہ بھوک کیا شے ہے لیکن اسے اس کا احساس بہرحال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس بھوک کا احساس نوزائیدہ بچے

کو بھی ہوتا ہے جو بھوک کی وجہ سے روتا ہے اور جب روتا ہے تو ماں اسے دودھ پلاتی ہے۔ یہ اصل میں اس کی جبلّت اور فطرت ہے۔ چنانچہ جس طریقے سے انسان میں اپنی مادی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے تقاضوں کا شعور اس کے اندر سے ابھرتا ہے' ایسے ہی ایک روحانی پیاس بھی انسان کے اندر سے ابھرتی ہے۔ بہتوں میں یہ کم ابھرتی ہے اور بہت سوں میں زیادہ ابھرتی ہے۔ بہت سے لوگ اس دنیا میں اتنے مشغول ہو جاتے ہیں اور اپنے حیوانی تقاضوں کی تسکین و تکمیل میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی روح کی پکار سنائی نہیں دیتی' یا وہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ لیکن کوئی انسان' انسان ہونے کے ناتے اس سے بالکل محروم نہیں ہے۔ یہ پیاس اندر سے ابھرتی ہے اور یہی پیاس ہے جو لوگوں کو جنگلوں میں لے جاتی ہے۔ یہی پیاس تھی جس نے گوتم بدھ کو اپنے محل سے نکال کر نہ معلوم کن کن جنگلوں کی خاک چھنوائی اور اسے کن کن منیوں اور رشیوں کے پاس لے گئی اور اس سے کس کس کی جوتیاں سیدھی کرائیں۔ اس نے یہ سب کس لئے کیا؟ وہ کپل وستو کا راجکمار تھا۔ محل میں اسے تمام آسائشیں اور ہر طرح کا آرام حاصل تھا۔ لیکن اس کے دل میں مکتی کے حصول اور دکھ سکھ کی حقیقت جاننے اور اپنے تصور کے مطابق اپنے ایشور کا گیان دھیان حاصل کرنے کا ایک جذبہ ابھرا اور وہ اپنے محل' اپنی جوان بیوی اور شیر خوار بچے کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ فطرت کی ایک پیاس تھی جس نے اس سے یہ سب کچھ چھڑوا دیا۔ یہ فطرت کی پکار ہی تھی جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ایران سے نکال کر شام کے مختلف علاقوں میں لے گئی' جہاں وہ مختلف راہبوں کی خدمت کرتے رہے۔ ان کے دل میں اپنے رب کی معرفت کی ایک پیاس تھی' تو جس کے دل میں یہ پیاس ایک سچی پیاس کی حیثیت سے ابھر آئے تو اسے اس وقت تک چین نہیں آ سکتا جب تک اس کی اس پیاس کی سیری کا کوئی بندوبست نہ ہو جائے۔

اب اس آیتِ مبارکہ کا رمضان اور اس کے روزوں کے حکم و فرضیت سے جو ربط و تعلق ہے' اسے اسی موقع پر واضح کر دوں۔ روزے کی حکمت بیان فرمائی گئی لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور رمضان میں ان کی فرضیت کی دوسری حکمت بیان فرمائی وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اب غور کیجئے کہ ہمارے اندر جو ملکوتی روح ہے اور اس کی جو پیاس ہے' وہ ہمارے جسمانی و حیوانی اور جبلّی تقاضوں کے تلے دبی رہتی ہے۔ ہم کاروبارِ دنیا میں منہمک رہتے ہیں۔ ہم دنیا کی آسائشوں اور کام و دہن کی لذتوں میں مستغرق رہتے ہیں۔ بھوک لگی تو

کھانا کھالیا' پیاس لگی تو پانی پی لیا۔ جنسی جذبے نے جوش مارا تو جائز طریقہ سے اس کی تسکین کر لی۔ ان تقاضوں کو پورا کرنے میں انسان اس قدر منہمک رہتا ہے کہ روح کی پیاس اسے محسوس نہیں ہوتی۔ لیکن رمضان کے روزوں کا پروگرام درحقیقت یہ ہے کہ پورے مہینے کے لئے معمولات کو الٹ دیا گیا ہے' اب دن میں بھوک اور پیاس برداشت کرو' جنسی خواہش کی تسکین پر قدغن لگاؤ۔ پھر رات کو جبکہ آرام و استراحت کا شدید ترین داعیہ ابھرتا ہے حکم ہوتا ہے کہ قرآن کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ گویا نفس کے جتنے تقاضے ہیں' ان کی مخالفت ہو رہی ہے۔ دن میں بھوک' پیاس اور جنسی تقاضے کی مخالفتیں آپ نے چودہ پندرہ گھنٹے برداشت کیں۔ اب جو یہ بند کھلا اور آپ نے اپنے پیٹ کو بھرا تو اس کے بعد حکم ہو گیا کہ کھڑے ہو جاؤ اور صلوٰۃ العشاء کے بعد ہر مسلمان صلوٰۃ التراویح ادا کرے' جس کا اہل سنت کے تین فقہی مسالک میں بیس رکعات کا نصاب مقرر ہے۔ اور میں اپنی پہلی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ کم سے کم نصاب ہے۔ ورنہ مطلوب یہ ہے کہ رمضان کی راتوں کا اکثر و بیشتر حصّہ قرآن مجید کے ساتھ جاگ کر گزارا جائے۔ اگر ہمیں وہ شان نصیب نہیں ہوتی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ابتدائی شان تھی کہ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا تو اس کی کچھ مشابہت اور اس کا کوئی عکس تو ہمارے اندر رمضان المبارک کی راتوں میں آ جائے۔ بہرحال نماز عشاء کے بعد گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی اضافی مشقت بھی اس وقت ہے جب طبیعت پر کسل کا شدید ترین غلبہ طاری ہوتا ہے۔ یہ سب کیا ہے! اسے میں نے ایک لفظ سے تعبیر کیا کہ یہ 'REVERSAL' ہے۔ گیارہ مہینے جو عمل (PROCESS) جاری رہتا ہے اس میں 'REVERSE GEAR' ہے جو اس طور پر رمضان میں لگایا گیا ہے کہ اپنے نفس اور کام و دہن کے تقاضوں کو دباؤ۔ جب یہ دبتے ہیں تو اندر سے روح کی پیاس ابھرتی ہے۔ جب یہ ابھرے تو پہلی خوشخبری دی گئی کہ جان لو کہ تمہارا ربّ تمہارے بالکل قریب ہے۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ ؕ

واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے یورپ کی تاریخ پڑھی ہے' وہ جانتے ہیں کہ انسانی حقوق کے لئے جو کشمکش وہاں ہوئی۔ انسان نے اپنے سیاسی حقوق حاصل کرنے اور مطلق العنان بادشاہوں کے چنگل اور جاگیرداروں کے شکنجے سے نجات پانے کے لئے وہاں جو جدّوجہد کی ہے اور پاپائیت کے منحوس اور بدترین نظام کا جو جُوا ان کے کاندھوں پر رکھا ہوا تھا' اس سے

رستگاری پانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دی ہیں ان کا تاریخ انسانی کے اہم ترین اور ناقابلِ فراموش واقعات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ نشاناتِ راہ ہیں جن پر چل کر حقوقِ انسانی کا منشور وجود میں آیا ہے۔ جبکہ میرے نزدیک اس آیتِ مبارکہ کی رو سے جو بات ہمارے سامنے آئی ہے یہ سب سے بڑا انسانی حقوق کا منشور (MAGNACHARTA) ہے کہ انسان کو یہ اطمینان دلایا جائے کہ تمہارا ربّ تم سے دور نہیں ہے۔ بلکہ نقشہ یہ ہے کہ۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

یہ ہے بندے کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ..... رب تو ہر دم' ہر آن مائل بہ کرم رہتا ہے۔ رب تو ہم سے غافل نہیں ہے۔ ہم ہی اس سے غافل اور غائب ہو جاتے ہیں۔ عربی کا یہ شعر میں نے بارہا اپنی تقاریر میں سنایا ہے جو میں نے دسویں جماعت کے کورس میں پڑھا تھا کہ۔

اَغِیْبُ وَ ذُو اللَّطَائِفِ لَا یَغِیْبُ　　وَ اَرْجُوْہُ رَجَاءً لَا یَخِیْبُ!

میں غائب ہو جاتا ہوں۔ وہ ہستی جو ذو اللطائف ہے وہ تو غائب نہیں ہوتی۔ وہ تو ہر آن اور ہر جگہ موجود ہے۔ وہ تو منتظر رہتی ہے کہ میرا بندہ میری طرف متوجہ ہو۔ یہ تو ہم ہیں جو اس کی طرف رخ نہیں کرتے۔ ہم نے اس سے پیٹھ موڑی ہوئی ہے۔ ہم نے اس دنیا کو اپنا محبوب اور مطلوب بنالیا ہے اور دولت کے پجاری بن گئے ہیں۔ ہم ہیں جو اپنے نفس کی غلامی میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم اس ذو اللطائف ہستی کی طرف رخ کب کرتے ہیں! حدیثِ قدسی میں یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ میرا بندہ اگر میری طرح چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔ میرا بندہ میری طرف بالشت بھر آتا ہے تو میں اس کی طرف ہاتھ بھر آتا ہوں۔ میرا بندہ اگر مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں۔ میرا بندہ اگر میرا ذکر کسی محفل میں کرتا ہے تو میں اس سے بہت اعلیٰ محفل میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ یعنی ملائکہ مقربین کی محفل میں اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کا ذکر فرماتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اسی کی ترجمانی جوابِ شکوہ میں اس طرح کی ہے کہ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں

لیکن اگر بندے میں یہ پیاس ابھر آئے تو جب چاہے' جہاں چاہے اللہ سے ہم کلام ہو جائے۔ جہاں کوئی حاجب نہیں' کوئی دربان نہیں۔ اس کی بھی علامہ اقبال نے بہترین تعبیر کی ہے

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

یہ تو در حقیقت ہماری غفلت ہے' ہماری نادانی ہے۔ کچھ ہوشیار لوگوں کی چالاکی ہے کہ وہ استحصان بنا کر بیٹھ جاتے ہیں کہ اگر تم کو اپنے رب سے ہم کلام ہونا ہے تو پہلے نذر و نیاز یہاں پیش کرو۔ ہماری مٹھیاں گرم کرو۔ ہم اس کے دربار کے حاجب اور دربان ہیں اور ہم جس بزرگ کی قبر کے مجاور بنے بیٹھے ہوئے ہیں' ان بزرگ کی بزرگی کی اللہ کے یہاں بڑی رسائی ہے۔ تمہاری درخواست اللہ کے یہاں ان کے ذریعہ سے پہنچ سکے گی اور ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہم ہیں۔ پہلے ہمیں خوش کرو' ہماری مٹھی گرم کرو تو تمہارا کام بنے۔

یہ نہ سمجھئے یہ ساری لوٹ کھسوٹ اور یہ جابرانہ استحصال صرف سیاسی سطح پر ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی جو سب سے بڑی 'EXPLOITATION' ہوتی ہے وہ مذہب کے میدان میں ہوتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں سورۃ التوبہ میں بالکل واشگاف کر دیا گیا ہے۔ فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط (آیت ۳۴) "اے اہلِ ایمان! اکثر علماء و مشائخ کا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے مال باطل طور طریقوں سے کھا جاتے ہیں اور اللہ کی (توحید کی) راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں"۔ مذہب کے نام پر باطل اور ناجائز طریقوں سے لوگوں کے اموال ہڑپ کرنے کے لئے سارے نظام بنائے گئے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا ہیں' یہ ان کے مندر استھان ہیں' یہ ان کے بت ہیں اور یہ ان کے پروہت ہیں' یہ ان کے پجاری ہیں' یہ پنڈت ہیں..... کوئی پیر صاحب ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ان کی فلاں فلاں بزرگوں سے نسبت ہے..... کہیں پادری یا پوپ صاحب ہیں' جو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے بیٹے مسیح کے چیلے ہیں۔ ان کی خدمت کرو گے' ان کو راضی رکھو گے' ان کی ناز برداریاں اٹھاؤ گے' تب ہی ایشور تک رسائی ہوگی۔ ان کو خوش کرو گے تب ہی اللہ خوش ہوگا۔ ان کو راضی رکھو گے تب ابن اللہ تمہارے کام آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے اور میں حیران ہوا کرتا ہوں کہ مذہب کے نام پر جو استحصالی نظام ہیں وہاں یہ صرف "پ" ہی ہے جو آپ کو ملے گا۔ حتیٰ کہ پادری کے لئے جو انگریزی لفظ 'PRIEST' ہے وہاں بھی یہ "پ" موجود ہے۔ اسی "پ" کی گردان آپ کو ہر جگہ نظر آئے گی۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ عربی زبان میں "پ" ہے ہی نہیں۔ اس نے تو اس "پ"

کی ایسی جڑ کاٹی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ کا دین ہمیں دے کر تشریف لے گئے ہیں' اس نے اس تصور کی بالکلیہ نفی کر دی۔

اب آیت کی طرف پھر رجوع کیجئے' فرمایا وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ "اور (اے نبیؐ!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو (بتا دیجئے کہ) میں بہت قریب ہوں"۔ یعنی جب بندے کو اپنے رب سے ہم کلام ہونے کی سچی اور حقیقی پیاس پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کے قلب کی گہرائی سے واقعتاً اپنے رب سے مناجات کرنے اور اپنی غفلت پر پشیمان ہو کر اس سے توبہ و استغفار کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے تو وہ اپنے بندے سے دور نہیں' قریب ہی ہوتا ہے۔ اُس کا در اُس کی طرف رجوع کرنے والوں کے لئے ہمیشہ کھلا ہے۔ اس کے ضمن میں مجھے حضورؐ کی ایک حدیث یاد آ رہی ہے کہ اسلام میں توبہ کا دروازہ کس درجہ کھلا رکھا گیا ہے حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَقْبَلُ تَوْبَۃَ الْعَبْدِ مَالَمْ یُغَرْغِرْ ..... "یقیناً اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک موت کا گھنگھرو نہ بولنے لگے"۔ یعنی جب تک عالمِ نزع طاری نہ ہو جائے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگرچہ کسی کے کوہ احد جتنے گناہ ہوں۔ اسی مفہوم کی سرمد نے یوں ترجمانی کی ہے۔

باز آ' باز آ' ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبروبت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی' باز آ

اگر اس سے پہلے تم سو بار بھی توبہ کر کے توڑ چکے ہو' تب بھی پروانہ کرو۔ آج اگر خلوص و اخلاص کے ساتھ پھر متوجہ ہو گے تو یہ بارگاہ وہ ہے جو کبھی بند نہیں ہوتی۔ اس پر کوئی حاجب اور دربان نہیں۔ سچی پشیمانی اور خلوص کے ساتھ رجوع کرو۔ اس ارادہ کے ساتھ اللہ سے توبہ کرو کہ اے اللہ! میں شرمسار ہوں' پشیمان ہوں' تجھ سے مغفرت کا طلب گار ہوں۔ اے اللہ! اب تک جو زندگی غفلت میں گزری ہے' گناہوں میں بسر ہوئی ہے اسے تو معاف فرما دے۔ اب میں از سرِ نو تجھ سے عہد کر رہا ہوں' پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ' پورے عزم کے ساتھ کہ اے پروردگار! میں اب تیرے حکم کے خلاف نہیں چلوں گا اور تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ تو نے جو کرنے کو فرمایا ہے' وہ کروں گا اور جس سے بچنے کا حکم

دیا ہے اس سے بچوں گا۔ تجھ پر ایمان پختہ رکھوں گا۔

چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کا اگلا حصہ یہی ہے جو اس وقت میں نے عرض کیا ہے فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي "انہیں بھی تو چاہئے کہ میرا کہنا مانیں" ..... یک طرفہ معاملہ نہیں چلے گا کہ تم مجھ سے اپنی منوانا چاہو اور میری مانو نہیں۔ مجھے اپنی احتیاجیں سنانا چاہو اور میری بات سنو ہی نہیں ..... مجھ سے تم چاہو کہ میں تمہاری مدد کروں اور تم میرے دشمنوں کی مدد کرو اور ان کے ساتھ ساز باز کرو۔ تم میرے باغیوں کے ساتھ وفاداریوں کا رشتہ استوار کرو اور میرے نافرمانوں کے نقشِ قدم کو اپنے لئے نشانِ راہ بناؤ ..... یہ نہیں ہو گا۔ دو طرفہ معاملہ ہو گا فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ "تم مجھے یاد رکھو' میں تمہیں یاد رکھوں گا"۔ إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ "تم اللہ کی مدد کرو گے' اللہ تمہاری مدد کرے گا"۔ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ○ "اور تمہارے قدم جمادے گا" ..... اللہ کی مدد کیا ہے؟ اس کے دین کی خدمت! اس کے دین کی اقامت کے لئے تن من دھن لگانا! باقی اللہ ہم سے روزی نہیں چاہتا۔ سورۂ طٰہٰ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نوعِ انسان سے فرمایا گیا: لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ "(اے نبیؐ) ہم آپ سے روزی طلب نہیں کرتے بلکہ ہم آپ کو رزق دیتے ہیں"۔ سورۃ الذاریات (آیات ۵۶ تا ۵۸) میں یہ اٹل بات فرمادی: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ○ "اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو نہیں پیدا کیا۔ مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ عبادت اور دعا کا باہم ربط و تعلق ' میں آگے قدرے تفصیل سے بیان کروں گا ..... مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ○ "میں ان (جن و انس) سے رزق کا خواہاں نہیں ہوں اور نہ اس کا خواہاں ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں' پلائیں" ..... إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ○ "تحقیق اللہ تو خود ہی رزاق ہے' روزی رساں ہے' بڑی قوت والا ہے' بڑا زبردست ہے" ..... ہاں اس کے دین کا جھنڈا اٹھاؤ۔ اس کو سربلند کرنے کے لئے سردھڑ کی بازی لگاؤ تو پھر جو دعا کرو گے اسے ہم قبول کریں گے' تمہاری جو پکار ہو گی اس پر تم ہمیں موجود پاؤ گے ..... ایک حدیث شریف میں یہاں تک الفاظ آئے ہیں تَجِدْهُ أَمَامَكَ "تم اسے اپنے سامنے موجود پاؤ گے"۔ وہ کہیں دور ہے ہی نہیں۔ جیسے سورہ قٓ میں فرمایا: نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ○ "ہم تو انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں" ..... سورۃ الحدید میں فرمایا: هُوَ

مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ط "وہ (اللہ) تمہارے ساتھ موجود ہوتا ہے' جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو" ..... یہ تو تمہاری بے التفاتی اور عدم توجہی ہے کہ تم ہماری طرف رخ نہیں کرتے۔ تمہارے دل کے سنگھاسن پر ہماری محبت کے بجائے کسی اور کی محبت براجمان ہے' تمہارے دل پر تو حُبِّ جاہ' حُبِّ شہرت اور زر' زمین اور زَن کی محبتوں نے ڈیرے جما رکھے ہیں۔ اگر دل کو ان محبتوں سے پاک کر کے میری محبت سے آباد کر لو تو جہاں تم ہو' وہاں میں ہوں۔ حدیثِ قدسی میں یہاں تک الفاظ آتے ہیں کہ پھر ایک مقام وہ بھی آتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اپنے بندے کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ میں اپنے بندے کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اپنے بندے کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں"۔ اجابت اور استجابت کے معنی قبول کرنے کے بھی ہیں۔ سورۃ الشوریٰ میں آپ کو یہ آیت ملے گی۔ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ط مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ○ (آیت ۴۷) "اپنے رب کی پکار کو قبول کرو اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن اللہ کی طرف سے آن دھمکے کہ اس دن کو لوٹانے والا کوئی نہیں ہو گا۔ اس دن نہ کوئی تمہارا پشت پناہ ہو گا اور نہ ہی تمہاری طرف سے کوئی انکار کرنے والا ہو گا"۔

اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہو گیا کہ استجابت کے معنی "قبول کرنا" ہیں۔ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ "لبیک کہو اپنے رب کی پکار پر' مانو اپنے رب کے مطالبہ کو"۔ اور سورۃ البقرہ کی زیرِ گفتگو آیت میں فرمایا فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ "ان کو بھی تو چاہئے کہ میری پکار کو سنیں' میری بات کو قبول کریں"۔ ہمارے ربّ کی پکار کیا ہے؟ اس کے ضمن میں تین چیزیں خاص طور پر گن لیجئے۔ پہلی پکار ہے۔ اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ "اپنے رب کی بندگی کرو"۔ ہمہ تن اللہ کے بندے بن جاؤ اور پورے وجود کے ساتھ اس کے سامنے جھک جاؤ یعنی اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔ اسلام میں جزوی داخلہ اللہ کو قبول نہیں ہے۔ آنا ہے تو پورے آؤ' ورنہ دفع ہو جاؤ۔ ہماری کوئی احتیاج نہیں ہے' احتیاج تمہاری ہے۔

دوسری پکار یہ ہے کہ ہماری ایک امانت تمہارے پاس ہے۔ وہ امانت جو ہم نے پہلے عطا کی تھی اپنے محبوب بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ انہوں نے اس امانت کا حق ادا کر دیا' اسے تم تک پہنچا دیا۔ انہوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے گواہی لے گئے۔ "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" اور سوا لاکھ کے مجمع نے حجۃ الوداع میں اقرار کیا۔ اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَ اَدَّيْتَ وَ نَصَحْتَ "بے شک حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے حق تبلیغ ادا فرما دیا اور آپؐ نے حق امانت ادا فرما دیا اور آپؐ نے حق نصیحت ادا فرما دیا"..... یہ گواہی لے کر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ .....اب یہ ذمہ داری میرے کاندھوں سے اتر کر تمہارے کاندھوں پر آ گئی ہے لہٰذا اب جو یہاں موجود ہیں پہنچائیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔ اس لئے کہ میری رسالت صرف تمہارے لئے نہیں ہے بلکہ پوری دنیا اور پوری نوع انسانی کے لئے ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا.....ط لہٰذا دوسری پکار ہوئی کہ توحید کی خود بھی گواہی دو اور اس کی دعوت کو عام کرو اور قرآن کے پیغام کو پوری نوعِ بشر تک پہنچاؤ..... اور تیسری پکار یہ ہے کہ میرے دین کو قائم کرو۔ میرے کلمہ کو سربلند کرو۔ وَ كَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○ اس کی بڑائی کرو' اس کی بڑائی قائم کرو جیسے کہ بڑائی کی جاتی اور قائم کی جاتی ہے۔ وہ نظام بالفعل قائم اور نافذ کرو جس میں 'SUPEREME AUTHORITY' صرف اللہ کو تسلیم کیا جائے۔ اسی کا دین قائم اور غالب ہو جائے اور اس سے اوپر کوئی نہ رہے۔ تیسری پکار یہ ہے کہ اس کام کے لئے اپنے آپ کو لگاؤ' کھپاؤ اور اپنی صلاحیتوں کو صرف کرو۔

یہی بات ہے جو آیتِ زیرِ گفتگو میں فرمائی جا رہی ہے۔ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ..... انہیں بھی چاہئے کہ میرا کہنا مانیں' میری پکار پر لبیک کہیں۔ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ..... اور یہ ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے جو پونجی درکار ہے' وہ ایمان کی پونجی ہے۔ جس شخص کو اللہ پر ایمان و یقین اور توکل ہے اور اللہ کی مدد و نصرت پر بھروسہ ہے وہی اللہ کی پکار پر لبیک کہہ سکے گا اور اس کے احکام کی تعمیل کر سکے گا۔ اس آیت مبارکہ کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ پر لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ○ "تاکہ لوگ رشد و ہدایت کی راہ پر آ جائیں"۔ یعنی روزہ' اللہ کی تکبیر' اس کا شکر' اس سے تعلق' اس سے دعا اور مناجات' یہ تمام امور وہ ہیں کہ اگر ایک بندۂ مومن ان کا خلوص و اخلاص کے ساتھ اہتمام کرے تو وہ راہِ حیات اور فوز و فلاح سے ہمکنار ہو

سکتا ہے۔

بہرحال یہ ہے وہ آیتِ مبارکہ جس کے ذریعہ سے ہمارے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ دعا کا روزے اور رمضان کے دو گونہ پروگرام سے کیا تعلق ہے!۔ میں رمضان کو اس لئے شامل کر رہا ہوں کہ روزہ تو دن کا ہے۔ اور رات کو درحقیقت رمضان کا پروگرام ہے۔ رمضان کیا ہے! شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"..... چنانچہ یہ رات کی تراویح' یہ رات کا قیام' یہ قرآن مجید کا سننا' سنانا اور اس کا سمجھنا' یہ اصل میں رمضان کا حق ہے۔ ورنہ روزے تو خواہ کسی مہینے کے فرض ہو جاتے ان کی برکات تو وہی رہتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ دو آتشہ پروگرام بنایا کہ دن کا روزہ ہو اور رات کا قیام۔ تاکہ دونوں کا نتیجہ یہ نکلے کہ تمہارے اندر اپنے رب کے ساتھ قریبی تعلق قائم کرنے کی پیاس ابھرے۔ اللہ کے ساتھ محبت اور اس کی معرفت کا ایک جذبہ دل میں جوش مارے۔ اور جب یہ کیفیت ہو جائے تو اے نبیؐ' ان کو میری طرف سے خوشخبری دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں اور پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔ پس یہ بھی میری پکار پر لبیک کہیں اور مجھ پر پختہ ایمان رکھیں تاکہ رشد و ہدایت سے ہمکنار ہوں۔

اس آیتِ مبارکہ کی جو اہمیت ہے' اسے میں مزید چند آیات کے حوالے سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ سورۃ المومن کی ایک آیت عام طور پر خطبۂ اول کے اختتام پر پڑھی جاتی ہے۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ (آیت ۶۰) اس اعتبار سے یہ بڑی جامع آیت ہے کہ اس میں دعا اور عبادت کا ہم معنی اور مترادف ہونا بالکل واضح اور ظاہر و باہر ہو جاتا ہے۔ اس آیتِ مبارکہ کے دو حصے ہیں اور ہمیں ان دونوں حصوں کے مابین جو ربط و تعلق ہے اسے بھی جاننا ہو گا۔ پہلے حصے میں فرمایا۔ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط "اور تمہارے رب نے یہ فرمایا کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا"۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی پیاری وضاحت فرمائی ہے۔ کہ دنیا میں اگر کسی سے کچھ مانگا جائے تو بالعموم انسان کو ناگوار ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑے سخی کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ آپ نے ایک سوال کیا اس نے پورا کر دیا' آپ نے دوسرا سوال کیا' وہ بھی اس نے پورا کر دیا لیکن اگر سوال کا سلسلہ دراز ہوا تو ایک حد تک آکر اس کے

ماتھے پر بھی بل پڑ جائیں گے۔ لیکن اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے جتنا مانگا جائے' اتنا ہی وہ خوش ہوتا ہے اور جتنا مانگا جائے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بے حساب دیتا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کرتے ہیں' اس سے مانگتے ہیں تو اس لئے کہ آپ کو یقین ہوتا ہے کہ وہ آپ کی دعا سنتا ہے' آپ کی تکلیف کو رفع کر سکتا ہے' آپ کی احتیاج کو پورا کر سکتا ہے۔ اس طرح آپ کی طرف سے اللہ کے سمیع ہونے اور اس کے علیٰ کُلِّ شَیٍٔ قدیر ہونے کے یقین کا اقرار و اظہار ہوتا ہے۔ یہی چیزیں درحقیقت ایمان کا لُبِّ لباب ہیں۔ اب اگر ہماری شخصیتیں مسخ ہو گئی ہوں اور ہمارے اخلاقی تصور میں فساد پیدا ہو گیا ہو تو یہ بات دوسری ہے۔ ورنہ آپ سوچئے کہ اگر کوئی شریف شخص کسی سے کوئی درخواست کرے کہ میرا یہ کام کر دیجئے اور وہ اس کام کو کر دے تو کیا وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ اگر اس نے میری کوئی تکلیف رفع کی ہے یا میری کوئی ضرورت پوری کی ہے اور آڑے وقت میں میرا ساتھ دیا ہے تو مجھ پر بھی اس کا کوئی حق قائم ہو گیا ہے..... ہر شریف اور بامروّت انسان کا یہ ردِّعمل لازمی ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اللہ سے دعا کریں گے' اس کی استعانت کے طالب ہوں گے تو اگر آپ کی شخصیت مسخ نہ ہوئی ہو تو خود بخود آپ کے دل میں یہ جذبہ ابھرے گا کہ آپ اپنے محسن کے شکر گزار بنیں۔ چنانچہ دعا کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ آپ میں عبدیت پیدا ہو۔ آپ یہ سمجھیں کہ آپ پر اللہ کا یہ حق ہے کہ آپ اس کا ہر حکم تسلیم کریں۔ چونکہ آپ اس سے دعا کر رہے ہیں۔ اس سے حاجت روائی اور مشکل کشائی کی استدعا کر رہے ہیں۔ لہٰذا اس کا معقول' فطری اور منطقی تقاضا یہ ہے کہ آپ اس کی بندگی اختیار کریں۔ چنانچہ اب دیکھئے کہ آیتِ مبارکہ کے اس حصہ کا دوسرے حصہ سے کتنا گہرا ربط و تعلق قائم ہو گیا ہے۔ اس ربط کی تفہیم کے لئے ہم پوری آیتِ مبارکہ کا دوبارہ مطالعہ کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ○ ..... "اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے پکارو (مجھ سے دعا کرو) میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا۔ یقیناً وہ لوگ جو میری عبادت سے استکبار کرتے ہیں (یعنی تکبر کی بنا پر میری بندگی سے منہ موڑتے ہیں) یہی لوگ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر" ..... آپ نے دیکھا کہ اس آیۂ مبارکہ میں دعا اور عبادت کس طرح ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر آئے ہیں۔

دعا در حقیقت اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور مناجات کرنے کے مظہر کے ساتھ ساتھ اس کی بھی دلیل ہے کہ آپ اسے حاضر ناظر تسلیم کرتے ہیں' اسے القدیر سمجھتے ہیں' اسے السمیع جانتے ہیں' اسے مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں۔ اسے الرحمٰن الرحیم تسلیم کرتے ہیں۔ اسے فریاد رس اور عادل و منصف سمجھتے ہیں۔ علامہ اقبال کا غالباً تیسرا یا چوتھا لیکچر " MEANINGS OF PRAYER. " کے موضوع پر ہے۔ یعنی اسلام میں دعاء کا مفہوم کیا ہے! ان کے لیکچرز کی زبان خاصی مشکل ہے لیکن یہ لیکچر نسبتاً آسان ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " دعا کا اصل مفہوم یہ ہے کہ ہماری انائے صغیر اس انائے کبیر کے روبرو ہو جائے' ہم اللہ سے خطاب کر رہے ہوں " ..... دیکھئے ایک ہے غائبانہ ذکر یا ' PASSIVE ' ذکر۔ جیسے ہم سبحان اللہ' الحمدللہ اور اللہ اکبر کا ورد کرتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کا ذکر ہے لیکن اس میں اللہ سے خطاب نہیں ہے۔ اس میں مکالمہ اور مخاطبہ والی بات نہیں ہے۔ لیکن جب آپ کہتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ "اے اللہ' ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے۔" تو اس میں اللہ سے خطاب ہے۔ یہاں ہماری انائے صغیر (FINITE EGO) روبرو آ جاتی ہے انائے کبیر (INFINITE EGO) کے۔ یہ جو بالمشافہ بات ہو رہی ہے' یہ در حقیقت فکر کی معراج (CLIMAX) ہے۔ یہ ' ACTIVE ' ذکر ہے۔ اس میں اللہ کو مخاطب کر کے اس کو یاد کیا جا رہا ہے۔

دعا کے ضمن میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اپنے رب سے کن چیزوں کی دعا کرنی چاہئے۔ اختصار سے عرض کرتا ہوں کہ اس کے بارے میں ایک طرف تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں تک تلقین فرمائی ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی درکار ہو تو اللہ سے مانگو۔ یعنی یہ کہ حقیر سے حقیر شے بھی اللہ ہی سے مانگو اور بڑی سے بڑی شے بھی اسی سے مانگو۔ اس میں گویا تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ کسی اور سے کچھ نہ مانگو۔ تمہارے لئے اتنی بڑی بارگاہ کھلی ہوئی ہے' اس بارگاہ سے کیوں نہیں مانگتے؟ تمام انسانوں کے دل اس کی انگلیوں کے مابین ہیں۔ وہ تمہاری ضرورت جس کے ذریعے سے چاہے گا پوری کر دے گا۔ تم کیوں اپنے جیسے انسان کے سامنے دستِ سوال دراز کر کے اپنی انسانیت کو رسوا کرتے ہو؟ آپ نے کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلایا تو گویا اپنی عزت نفس کا دھیلا کر دیا۔ لہٰذا جو کچھ بھی مانگنا ہو اللہ سے مانگو۔ اللہ اس ضرورت کو کس کے ذریعے سے پورا کرے گا یہ وہی جانتا ہے۔ کوئی چیز اس کے دائرہ اختیار سے

باہر نہیں ہے۔ سورۃ الکہف میں دو یتیم بچوں کے مکان کی دیوار کا ذکر آیا ہے جو بوسیدگی کی وجہ سے گر رہی تھی۔ ان کے والدین نیکو کار تھے۔ انہوں نے کچھ پونجی اپنے یتیم بچوں کے لئے اس دیوار کے نیچے گاڑی ہوئی تھی تاکہ بچے جب بڑے ہو جائیں تو ان کے کام آئے۔ وہ دیوار گرا چاہتی تھی کہ اس کو بچانے کے لئے حضرت خضر پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے نظام میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے محافظت کرنے والے نہ معلوم کہاں کہاں موجود ہیں! ہم تو جانتے تک نہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ "تیرے رب کے لشکروں کو کون جانتا ہے سوائے اس کے"۔ وہ جس کے ذریعے سے چاہے گا تمہاری ضرورت کو پورا کرا دے گا۔ لہٰذا کسی سے کچھ نہ مانگو اور جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگو۔

لیکن جیسے معرفت اور ہدایت کے مختلف درجے ہیں لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ○ "البتہ تم کو چڑھنا ہے سیڑھی پر سیڑھی"۔ یہ تو ایک ایسا مسلسل عمل ہے کہ آپ کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ آج مجھے کُل ہدایت حاصل ہو گئی۔ اسی طرح دعا کے بھی درجات ہیں۔ چنانچہ دعا کے ضمن میں بلند ترین درجہ یہ ہے کہ اللہ سے کچھ نہ مانگو سوائے ہدایت اور استقامت کے۔ دنیا کی کوئی شے اللہ سے نہ مانگو۔ اس لئے کہ تمہیں کیا پتہ کہ جو کچھ تم اللہ سے مانگ رہے ہو، وہ حقیقت میں تمہارے لئے خیر ہے یا شر ہے۔ وہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ (البقرہ۔ ۲۱۶) یعنی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور تم اللہ سے اسے اپنے سے دور کر دینے کی دعا کرو حالانکہ اسی میں تمہارے لئے خیر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور اس کے حصول کے لئے اللہ کے حضور گڑگڑا کر اور ماتھا رگڑ کر دعا کرتے رہو اور حقیقت میں وہی چیز تمہارے لئے موجب شر ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے..... پھر سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا۔ وَيَدْعُ الْإِنسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنسَانُ عَجُولًا ○ (آیت ۱۱) "اور انسان خیر مانگتے مانگتے اپنے لئے شر مانگ بیٹھتا ہے چونکہ انسان جلد باز ہے"..... انسان حقیقت کو نہیں دیکھتا جبکہ اللہ تعالیٰ حقیقت کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے مانگنے کی اصل چیز ہے ہدایت۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ "اے اللہ، اے ہمارے رب، ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت عطا فرما۔"

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنَا

فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَالَيْتَ، وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوبُ إِلَيْكَ[1]

"اے اللہ تو ہماری رہبری فرما ان لوگوں میں جن کی تو نے رہبری کی ہے اور ہمیں عافیت دے ان لوگوں میں جن کو تو نے عافیت دی ہے اور ہمیں دوست بنالے ان لوگوں میں جن کو تو نے دوست بنالیا ہے اور ہمیں برکت دے اس چیز میں جو تو نے ہمیں عطا کی ہے اور ہمیں ہر اُس برائی سے بچالے جو تو نے مقدر کر رکھی ہے۔ کیونکہ تو ہی فیصلہ کرتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ تیرا دوست ذلیل نہیں ہوسکتا اور تیرا دشمن عزیز نہیں ہوسکتا۔ اے ہمارے رب! تو برکت والا ہے اور بلند و برتر ہے۔ ہم تجھ سے مغفرت چاہتے ہیں اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

پھر اللہ سے استقامت طلب کی جائے۔ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَقُلُوبَنَا عَلَى دِينِكَ وَعَلَى طَاعَتِكَ۔ "اے اللہ ہمارے قدموں کو اور ہمارے دلوں کو اپنے دین پر اور اپنی اطاعت پر جمادے۔" پھر اللہ سے ہدایت میں افزونی اور علم میں اضافہ کی دعا کیجئے۔ سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ○ (آیت ۱۱۴) "اور (اے نبی!) کہا کیجئے کہ اے میرے رب، میرے علم میں اضافہ فرما۔" اللہ سے علمِ نافع کی دعا کیجئے۔ سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اس میں یہ دعا بھی ہوتی تھی۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَعَمَلًا مُتَقَبَّلًا وَرِزْقًا طَيِّبًا۔ "اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، نفع دینے والے علم اور مقبول ہونے والے عمل اور پاک اور حلال روزی کا۔" اور اللہ سے مانگنے کی چیز ہے فہم و فراست۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ أَرِنِي حَقِيقَةَ الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ "اے اللہ، مجھے اشیاء کی حقیقت دکھا جیسی کہ فی الواقع وہ

---

[1] حدیث میں آتا ہے کہ یہ دعا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو صلوٰۃ الوتر میں پڑھنے کی خاص طور پر تلقین فرمائی تھی۔ (مرتب)

ہیں۔ "ظاہر تو سب ہی دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے ہر شے کی اصل حقیقت پر مطلع فرما! شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ہے!

تو اللہ سے وہ نظر مانگئے جو اشیاء کی حقیقت تک پہنچے۔ اس دعاء کو حرزِ جان بنایئے کہ۔ رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (ال عمران۔ ۸) "اے رب ہمارے 'نہ پھیر یو ہمارے دلوں کو جبکہ تو ہمیں ہدایت دے چکا اور ہم کو اپنے خاص خزانہ فضل سے رحمت عنایت فرما۔ بے شک تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔"

اب ایک راز کی بات سمجھ لیجئے۔ انسان معرفت الٰہی میں جتنا بڑھتا چلا جائے گا' اتنا ہی اس کا دعا کا دائرہ تنگ ہوتا چلا جائے گا..... کیا معنی؟ یہ کہ اللہ سے کیا دولت مانگے؟ کیا اولاد مانگے؟ کیا دنیا کی کوئی چیز مانگے؟..... ہمیں کیا پتہ کہ وہ ہمارے حق میں خیر ہے یا شر ہے!

دعا کے باب میں اولیت پر تو وہ دعارہ جائے گی جس کا نام دعائے استخارہ ہے' جس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا کہنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ دعا ایسے سکھائی اور تلقین فرمائی جیسے قرآن مجید کی سورتیں سکھاتے اور تلقین فرماتے تھے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ (بخاری)

"اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعہ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ سے قدرت چاہتا ہوں..... اور مانگتا ہوں تیرے فضل عظیم سے۔ چونکہ تو ہی قادر ہے میں قادر نہیں ہوں اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا۔ اور تو ہی علام

الغیوب ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین' میری معاش اور انجام کار کے اعتبار سے میرے لئے اچھا ہے تو اسے تو میرے قابو میں کر دے اور اس کو میرے لئے آسان بنادے۔ پھر اس میں میرے لئے برکت عطا فرما۔ اور اگر تیرے علم کامل میں یہ کام میرے لئے دین و دنیا اور انجام کار کے اعتبار سے برا ہے' شر ہے تو اس کام کو تو مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے اور میرے لئے بھلائی مقرر فرمادے جہاں کہیں بھی وہ ہو اور پھر مجھے اس سے خوش فرمادے۔"

جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ ہدایت اور معرفت کی طرح دعا کے بھی درجے ہیں۔ چنانچہ اصولی بات تو یہ ہوگی کہ اگر مانگنا ہی ہے تو اللہ سے مانگو۔ یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ تک اسی سے مانگو۔ لیکن اللہ سے مانگنے کی اعلیٰ وارفع چیزیں دوسری ہیں۔ توپ سے مکھیاں نہیں مارا کرتے۔ یہ دعا بہت بڑی توپ ہے۔ اس سے بڑی شے کا شکار کرو' اس کے ذریعے یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں کیا مانگ رہے ہو! دنیا کی حقیر چیزیں مانگ کر تم نے دعا جیسی موثر شے ان پر صرف کر دی۔ دعا تو اعلیٰ وارفع چیزوں کے لئے ہونی چاہئے۔ وہ ہدایت کے لئے ہو' دین کے علم اور اس کے فہم کے لئے ہو اور دین پر عمل پیرا ہونے اور اس پر استقامت و ثبات کے لئے ہونی چاہئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ توفیق طلب کرنی چاہئے کہ اپنا تن من دھن اس کے دین کی سرفرازی و سربلندی کے لئے لگا دیا جائے۔ اس سے اس کے دین کا جھنڈا سربلند کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کی ہمت طلب کی جائے۔ اللہ سے شہادت کی موت مانگئے۔ اس لئے کہ خود حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آرزو کی ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ لوددت ان اغزو فی سبیل اللہ فاقتل ثم اُحیٰی ثم اغزو فاقتل۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) میری یہ تمنا اور خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔"

اور حضورؐ کا ایک ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ جو (مسلمان) اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے (اللہ کی راہ میں) جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنا ہی پیدا ہوئی۔ فقد مات علی شعبة من النفاق ○ تو اس کی موت نفاق کے ایک شعبہ پر ہوئی..... چنانچہ اللہ

سے مانگنے کی چیزیں جذبہ جہاد اور شوق شہادت ہیں۔ ا؎

بہرحال گفتگو چل رہی تھی سورۃ المومن کی آیت نمبر ۶۰ پر۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ دعا اور عبادت ہم معنی اور ہم مفہوم ہیں۔ میں نے آغاز میں جن آیات مبارکہ کی تلاوت کی تھی' ان میں سورۂ مریم کی چار آیات (۴۷ تا ۵۰) بھی شامل تھیں۔ وقت کی محدودیت کے باعث میرے لئے ان کی توضیح و تشریح کا موقع نہیں۔ چنانچہ میں ان آیات کا ترجمہ بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ان آیات کے ذریعہ سے جو بات میں آپ حضرات کو سمجھانا چاہتا ہوں وہ یہی ہے کہ یہاں بھی دعا اور عبادت کو ہم معنی اور مترادف کے طور پر لایا گیا ہے۔ گویا دعا اور عبادت ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو دعوتِ توحید دی' جو اپنے ملک کے مشرکانہ نظام حکومت میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے۔ خود بت تراش بھی تھے اور سب سے بڑے مندر کے پروہت بھی تو باپ نے نہایت سختی سے انہیں جھڑک دیا اور حکم دیا کہ فوراً میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ میں تم کو سنگسار کر دوں گا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے گھر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور اس موقع پر آں جنابؑ نے جو الوداعی کلمات کہے' ان کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۡ عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بِدُعَاۗءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ○ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○

ا؎ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلب شہادت کے لئے کثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے جو قبول بھی ہوئی اور آپؓ مدینتہ النبیؐ میں ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اللھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک "اے اللہ! تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور میری موت تیرے رسولؐ کے شہر میں واقع ہو"۔ (مرتب)

(ترجمہ) " (باپ کی جھڑکی اور اظہار غیظ و غضب کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے کہا) اچھا تو آپ کو میرا سلام (میں الگ ہو جاتا ہوں' پھر بھی) میں اپنے رب سے آپ کی مغفرت کی دعا کروں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں سے بھی کنارہ کرتا ہوں اور ان (ہستیوں) سے بھی جنہیں آپ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔ پھر جب ابراہیمؑ ان لوگوں سے اور ان (بتوں) سے جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے کنارہ کش ہو گیا تو ہم نے اسے اسحٰق اور (اسحٰق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا اور ہر ایک کو نبی بنایا اور اپنی رحمت سے نوازا۔ اور ان کو سچی ناموری عطا کی"۔

ان آیات سے بھی یہ بات مزید موکد ہو گئی کہ دعا اور عبادت ہم معنی ہیں۔ جس کو تم نے واقعتاً اپنا معبود مانا ہے' اسی سے دعا کرو گے۔ اسی کو حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لئے پکارو گے۔ اسی سے فریاد کرو گے اور اسی کی دہائی دو گے۔

میں نے اس موقع پر سورۃ المومن کی ایک' اور سورۂ مریم کی چار آیات کے حوالے سے دعا اور عبادت کا جو ربط و تعلق بیان کیا ہے' بعینہ یہی نقشہ ہے سورۃ الفاتحہ کی مرکزی آیت کا۔ سورۃ الفاتحہ کی سات آیتیں ہیں' پہلی تین میں اللہ کی حمد و ثنا اور تمجید ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اب چوتھی آیت مرکزی آیت ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○ " (اے رب!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کریں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگیں گے"۔ ۲۔ استعانت کے معنی ہیں مدد مانگنا۔ استعانت' استدعا' استمداد' استنصار اور استغاثہ عربی مبین کے ایسے الفاظ ہیں جن سب میں مدد مانگنے کا مفہوم مشترک ہے اور یہ دعا ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ ساری چیزیں درحقیقت صرف اللہ کے لئے ہیں۔ سورۃ الفاتحہ کی مرکزی آیت میں عبادت و استعانت دو چیزیں بالکل یک جان ہو گئیں۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ○

احادیث نبویؐ حکمت قرآنی کا عظیم ترین خزانہ ہے۔ گویا قرآن حکیم کا جو لب لباب اور

۲۔ عربی زبان میں فعل مضارع میں زمانہ حال اور زمانہ مستقبل دونوں شامل ہوتے ہیں۔ (مرتّب)

جوہر ہے وہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے ارشادات اور فرمودات میں مل جائے گا۔ بالکل سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مصداق..... آپؐ نے فرمایا۔ الدعاء مخ العبادۃ "دعا عبادت کا مغز ہے"۔ بلکہ لفظ "مخ" میں مغز کے علاوہ گودا' جوہر اور لب لباب کے مفاہیم بھی موجود ہیں۔ دوسری حدیث میں تو یہ پردہ بھی اٹھا دیا' ارشاد فرمایا۔ الدعاء ھو العبادۃ۔ "دعا ہی اصل عبادت ہے"۔ جس سے تم دعا کر رہے ہو وہی تمہارا معبود ہے۔ اگر اللہ کے سوا کسی اور کو پکارا ہے تو وہ ہی آپ کا معبود ہے' چاہے آپ زبان سے کہہ رہے ہوں لا الہ الا اللہ۔ "ہم اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتے"۔ لیکن اگر آپ نے کہا "یا علی مدد" تو آپ نے علیؓ کو اپنا معبود بنالیا۔ آپ علیؓ کی پرستش اور بندگی کر رہے ہیں' چاہے آپ اس کا اقرار کریں' چاہے نہ کریں۔ توحید کا تقاضا یہی ہے کہ استدعا' استعانت' استمداد' استنصار' استغاثہ یہ صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی دعاؤں کو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بابرکات کے لئے خالص کرلیں۔

اس موضوع کے اور بہت سے پہلو ہیں جن کا احاطہ آج کی نشست میں ممکن نہیں ہے۔ ان پر انشاء اللہ العزیز آئندہ کبھی گفتگو ہوگی۔ البتہ دعا کے ضمن میں ایک عملی بات بیان کرنا چاہوں گا۔ وہ عملی بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کوئی دعا کبھی بیکار یا رائیگاں نہیں جاتی۔ دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے لیکن اس کی مقبولیت کی تین مختلف شکلیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو چیز مانگتا ہے وہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں اس کے لئے خیر ہے تو وہ اسے وہی چیز عطا فرمادیتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ اگر اللہ کے علم کامل میں یہ ہے کہ میرا بندہ لاعلمی میں مجھ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے جو اس کے حق میں مفید نہیں ہے۔ جیسے آپ کا بچہ آپ سے چاقو مانگے تو آپ اسے چاقو نہیں دیتے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اسے اس کا استعمال نہیں آتا اور یہ نادانی میں اپنا ہاتھ کاٹ بیٹھے گا۔ اسی طرح اگر اللہ کے علم کے مطابق یہ چیز اس بندے کے حق میں مفید نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں بندے کو وہ چیز عطا فرمادیتا ہے جو اس کے حق میں واقعتاً مفید ہو۔ تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی شے بھی اس وقت بندے کو دینا اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ میں نہیں ہے تو اللہ اس دعا کو بندے کے لئے توشہ آخرت بنالیتا ہے۔ آخرت میں وہ دعا اس بندے کے لئے اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائے گی۔

أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

ماہِ رمضان کے دوران خصوصی رعایتی پیشکش

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی ۲۶ کتب کا مکمّل سیٹ

جن کا ہدیہ -/۲۰۰ روپے ہے، صرف -/۱۵۰ روپے میں حاصل کیجئے۔

نوٹ (۱) ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا جو اندرونِ پاکستان بذریعہ رجسٹرڈ بک پوسٹ -/۱۵ روپے ہے)

(۲) آرڈر کے ساتھ ہی رقم بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھجوانا ضروری ہوگا۔

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہ رمضان المبارک میں

قرآن حکیم کی انقلابی تعلیمات سے واقفیت حاصل کیجئے!

اسلامی انقلاب کے داعی ڈاکٹر اسرار احمد کے

چار انقلاب آفریں خطبات

سی -۹۰ کی پانچ آڈیو کیسٹس کا سیٹ، ہدیہ -/۱۰۰ روپے (علاوہ ڈاک خرچ)

خود سنیے اور اپنے دوست احباب کو تحفہ میں پیش کیجئے

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور

روحِ اعتکاف

اور

عظمتِ لیلۃ القدر

رمضان ۱۴۰۶ھ میں ڈاکٹر اسرار احمد کا تیسرا خطابِ جمعہ

* * *

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی اَفْضَلِہِمْ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدِنِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ط ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ ط عَلِمَ اللّٰہُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ ج فَالْئٰنَ بَاشِرُوْھُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَکُمْ ص وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ج وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِدِ ط تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَقْرَبُوْھَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ)

صدق اللہ العظیم

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَھُوْا قَوْلِیْ ۔

حضرات! آج رمضان المبارک کی بیس تاریخ ہے۔ اور آپ کے علم میں ہے کہ اکیسویں شب سے مسنون اعتکاف کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا آج شام ہی سے اس عظیم عبادت کے لئے مساجد میں اعتکاف کی نیت سے وہ لوگ مقیم ہو جائیں گے جنہیں اللہ کی طرف سے خصوصی توفیق میسر آئے گی۔ مزید یہ نوٹ کیجئے کہ آنے والے جمعہ کو' جو اس ماہ مبارک کا آخری جمعہ ہو گا' رمضان المبارک کی ستائیسویں تاریخ ہوگی اور اس تاریخ کو قمری حساب سے پاکستان کے قیام کو ٹھیک چالیس برس ہو جائیں گے۔ یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ رمضان المبارک کی وہ ۲۷ ویں شب جس میں پاکستان کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا' وہ بھی جمعہ ہی کی شب تھی۔ میں آج کی نشست میں انہی دو باتوں کے حوالوں سے کچھ عرض کروں گا۔

میں آج یہ سوچ رہا تھا کہ امسال رمضان المبارک کے دوران تین جمعوں میں میری کراچی میں موجودگی رہی۔ لیکن ان تین جمعوں کو مجھے تین مختلف مساجد میں کچھ بیان کرنے کا موقع ملا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کہیں ایک جگہ بھی بات پوری بیان نہیں ہو سکی۔ چونکہ وقت محدود ہوتا ہے' لیکن میں نے یہ ترتیب اپنے سامنے رکھی تھی کہ پہلے جمعہ کو ناظم آباد بلاک نمبر ۵ کی مسجد میں سورہ بقرہ کے تئیسویں رکوع کی اس تیسری آیت پر گفتگو کی جس میں رمضان المبارک کی عظمت اور ماہ رمضان کے روزے کی فرضیت کا ذکر ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ الیٰ قولہ تعالیٰ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ طویل آیت ہے۔ میں نے اس کے حوالہ سے عرض کیا تھا کہ اس ماہ مبارک کی عظمت کی اساس یہ ہے کہ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے اور اس کا پروگرام دو گونہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ جس میں ایک تو فرض ہے یعنی دن کا روزہ اور ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اگرچہ فرض تو قرار نہیں دیا' البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ترغیب و تشویق کے ذریعہ سے اس کی طرف امت کو توجہ دلائی ہے اور اس کا خصوصی اہتمام کرنے کی تاکید فرمائی ہے یعنی قیام اللیل کا پروگرام۔ رات کو اپنے رب کے حضور دست بستہ کھڑے ہو کر اس کے کلام کو سننا۔ اس کی ایک معین مقدار بیس رکعات صلوٰۃ التراویح کی شکل میں اگرچہ حضورؐ سے ثابت نہیں ہے لیکن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اکابر صحابہؓ کے مشورے سے یہ نظام مقرر کیا اور یہ تواتر کے ساتھ امت میں چلا آرہا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر لوگ ساری رات نہ جاگ سکیں تو عربی کے ایک محاورے "مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ" کے مصداق نماز عشاء

کے بعد کم از کم ایک ڈیڑھ گھنٹہ قرآن کے ساتھ جاگیں۔ لیکن فی الواقع مطلوب یہی ہے کہ تمام رات اسی کیفیت میں بسر ہو۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ۔ " ترجمہ "جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) اس کی بھی اگلی پچھلی خطائیں بخش دی گئیں۔ " اسی طرح آپؐ کا فرمان ہے۔ "روزہ اور قرآن آخرت میں بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا اے رب میں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن یہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے تیرے اس بندے کو رات کے وقت سونے سے روکے رکھا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشارت دیتے ہیں کہ "پھر روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔ "

اب آپ غور کیجئے کہ جیسے روزے کی بندش صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کی ہے۔ دو چار گھنٹے کی نہیں ہے۔ ویسے ہی مطلوب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی پوری رات اس عالم میں بسر ہو کہ قرآن مجید کے ساتھ ہر مسلمان کا از سر نو ایک ذہنی و قلبی ربط و تعلق قائم ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن حکیم کی عظمت منکشف ہوگی اور قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا عزم دل میں پروان چڑھے گا۔

دوسرے جمعہ میں ناظم آباد نمبر ۴ کی جامع مسجد میں حاضری کا موقع ہوا۔ وہاں میں نے سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع کی چوتھی آیت کے متعلق کچھ عرض کیا تھا۔ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ " (اے نبی) میرے بندے جب آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہہ دیجئے کہ میں قریب ہی ہوں اور میں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں، قبول کرتا ہوں۔ البتہ انہیں بھی چاہئے کہ میری بات سنیں، میرے احکام پر عمل پیرا ہوں: " فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ ..... "میری پکار پر لبیک کہیں" اور وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ اور مجھ پر ایمان رکھیں" ..... لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ "تاکہ وہ کامیاب اور راہ یاب ہو سکیں" کامیابی اسی راستہ سے حاصل ہوگی۔

محض دعائیں مانگنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یعنی اس کا دوسرا رخ کیا ہے! یہ کہ تم بھی تو میری باتیں مانو' تو میں تمہاری مانوں گا۔ جیسے قرآن میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا۔ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ۔ "تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد کروں گا" ۔ إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے' اللہ تمہاری مدد کرے گا" ..... تو گزشتہ جمعہ میں اس آیت کے حوالے سے گفتگو ہوئی تھی۔

میں چاہوں گا کہ آج کے خطاب میں یہ بات مزید واضح کروں کہ اللہ کی وہ پکار کیا ہے! جو حضرات میرے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کر رہے ہیں تو ان کے سامنے اللہ کی پکار بار بار آ رہی ہے اس کی پہلی پکار یہ ہے کہ خود میرے مخلص بندے بن جاؤ اور میرے لئے اپنی اطاعت کو خالص کر لو۔ فَاعْبُدُ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۔ دوسری پکار یہ ہے کہ میری دعوت کو عام کرو۔ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۔ "بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت اور وعظ کے ساتھ اور ان (منکرین) کے ساتھ مجادلہ کرو اس طریق پر جو بہترین ہو۔ اور میری تیسری پکار یہ ہے کہ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ ۔ "میرے دین کو قائم کرو۔" میں نے دین اس لئے تو نہیں دیا کہ صرف اس کی مدح کرتے رہو' محض Lip Service کرتے رہو۔ میں نے قرآن اس لئے تو نہیں اتارا کہ صرف اس کی تلاوت کر لیا کرو۔ قرآن تو اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ ساتھ ہی تمہیں نظام عدل و قسط عطا فرمایا ہے تاکہ تم اس کو قائم کرو' نافذ کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے ہو تو تم "لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" کے مجرم گردانے جاؤ گے کہ "کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔" اگر آپ اپنا جائزہ لینا چاہیں کہ رمضان المبارک کی برکات سے آپ کو بھی کوئی حصہ ملا ہے یا نہیں ملا تو اس اعتبار سے اپنا جائزہ لیجئے اور Self Assessment کیجئے' جیسے انکم ٹیکس میں آج کل یہ طریقہ رائج ہے۔ جائزہ لیجئے کہ کیا واقعی اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کا کوئی جذبہ ابھرا ہے! واقعی دل میں یہ عزم' اور ارادہ پیدا ہوا ہے کہ اللہ کے احکام پر ہمہ تن کاربند رہوں گا۔ اس کا کوئی حکم نہیں ٹالوں گا' اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا! کیا واقعی یہ داعیہ ابھرا ہے کہ اللہ کا دین جو ہمارے پاس امانت کے طور پر ہے اور ہمارے کاندھوں پر اس کی ذمہ داری ہے کہ ہم اسے دوسروں تک پہنچائیں گے' اس کی تبلیغ کریں گے' اس کی دعوت دیں گے! کیا واقعی یہ جذبہ ابھرا ہے کہ ہم تن من دھن لگا دیں گے' گردنیں کٹوا دیں گے

لیکن اللہ کے دین کو غالب کریں گے! اگر یہ ہوا ہے تو مبارک ہے۔ پھر تو آپ نے رمضان المبارک سے صحیح استفادہ کیا ہے۔ اور اگر نہیں ہوا تو برا نہ مانئے گا' یہ نیکیاں کمانے اور تقویٰ حاصل کرنے کا موسم بہار آیا اور چلا گیا۔ اس سے آپ نے کوئی استفادہ نہیں کیا۔ ایک رسم ہے جو ادا کر لی گئی۔ فاقے ہیں جو کر لئے گئے ہیں۔ حقیقت میں یہ روزے نہیں ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان سنا رہا ہوں۔ کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَهٗ مِنْ صَوْمِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ ۔ "کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ ماہ رمضان کے دو عشرے آج مکمل ہو رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس شعر کا مصداق بن رہے ہوں۔

اس آرزو کے باغ میں آیا نہ کوئی پھول
اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

تو یہ بہار کے دن نکلے جا رہے ہیں۔ اب اس ماہ مبارک کا آخری عشرہ رہ گیا ہے۔ اللہ توفیق دے تو اب بھی موقع ہے کہ ان دس دنوں سے بھرپور استفادہ کریں اور آگ سے بچنے کا سامان کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری دن جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے آخر میں یہی الفاظ آتے ہیں۔ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ ۔ یعنی اس ماہ رمضان کے تین عشرے ہیں۔ پہلا رحمت ہے' دوسرا مغفرت ہے اور تیسرا جہنم سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ گویا یہ آخری عشرہ گردن کو آگ سے چھڑا لینے کا بہترین موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عشرے کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آخری عشرے میں ایک خاص عبادت ہے۔ جسے یوں سمجھنا چاہئے کہ وہ رمضان المبارک کے پورے پروگرام کا نقطۂ عروج ہے۔ جس طرح ہر چیز تدریجاً ترقی کرتی ہے اور ایک نقطۂ عروج و کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح رمضان المبارک کے پروگرام کا بھی ایک عروج ہے اور وہ عروج ہے **اعتکاف** ..... اللہ کے فضل و کرم سے اب پھر اعتکاف کا چرچا اور اس کا شوق بڑھ رہا ہے۔ نوجوان بھی بڑی تعداد میں اس مسنون عبادت کو بڑے ذوق و شوق سے ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر اس اعتکاف کی اصل حقیقت نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو نہ اس کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ اس سے صحیح طور پر استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ اعتکاف درحقیقت ارتکاز توجہ کا نام ہے۔ کسی حقیقت پر توجہ کو مرتکز کرنا' یہ ہے

اعتکاف کا اصل حاصل..... قرآن مجید میں اس کا ذکر یا تو سورۃ البقرہ کے تئیسو یں رکوع کی پانچویں آیت میں آیا ہے جس میں رمضان اور روزے کے معاملات زیر بحث آئے ہیں۔ "وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ط۔" یا پھر سورہ بقرہ کے پندرہویں رکوع میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام سے عہد لیا کہ تم ہمارے اس گھر (بیت اللہ) کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک صاف رکھنا۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ○ مزید بر آں سورۃ الحج میں بھی یہ لفظ قریباً اسی سیاق و سباق میں وارد ہوا ہے۔ باقی یہ لفظ قرآن میں کثرت سے بت پرستوں کے لئے آیا ہے۔ آپ میں سے بہت سے لوگ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے لیکن میں آگے وضاحت کر دوں گا۔ سورہ اعراف میں فرمایا۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ پھر سورہ انبیاء میں ایک مرتبہ' سورہ طٰہٰ میں دو مرتبہ یہ لفظ بت پرستوں کے لئے استعمال ہوا۔ مزید یہ کہ سورۃ شعراء میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ○ "ان کافروں نے (حضرت ابراہیمؑ سے) کہا ہم ان مورتیوں کو پوجتے ہیں پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں۔" بت پرستوں کا یہ اعتکاف کیا ہے! ہندی کے دو الفاظ آپ میں سے اکثر حضرات نے سن رکھے ہوں گے گیان اور دھیان..... "گیان" کہتے ہیں معرفت کو اور "دھیان" ہے توجہ کا ارتکاز' یعنی جسے بھی اپنا معبود مانا ہے اس سے لو لگانا..... ہوتا یہ ہے کہ انسان اس حیاتِ دُنیوی میں کسی عقیدے کو ذہناً قبول تو کر لیتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے' لیکن اس کی طرف اس کی کامل توجہ نہیں رہتی۔ پیٹ کا دھندا ہے' بال بچوں کی پرورش اور تعلیم کی فکر ہے اور بہت سے ذاتی' نجی اور گھریلو مسائل اسے گھیرے رکھتے ہیں۔ نتیجۃً زندگی کے اصل حقائق اس کے سامنے نہیں رہتے۔ اقبال کے اس خوبصورت شعر میں انسان کی اسی گمشدگی کا بیان ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مومن وہ ہوتا ہے جو اسی دنیا میں رہتے ہوئے اس سے بالاتر ہو کر رہتا ہے۔ یہ مصرع بے اختیار زبان پر آ رہا ہے کہ ع "بازار سے گزرا ہوں' خریدار نہیں ہوں"..... مومن کی اصل

دلچسپیاں اس دنیا سے وابستہ نہیں ہوتیں۔ اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوتا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں الفاظ آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں خاص اپنے عرش عظیم کے نیچے پناہ دے گا' اس حال میں کہ کہیں اور سایہ نہیں ہوگا۔ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ۔ ان سات میں ایک کی کیفیت ان الفاظ میں بیان ہوئی۔ رَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ۔ "وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے۔" مسجد سے نکلتا تو ہے' ضروریات زندگی کے لئے کاروبار دنیا میں حصہ بھی لیتا ہے لیکن اس میں اسے دلی انہماک حاصل نہیں ہوتا۔ گویا وہ اپنا دل مسجد ہی میں چھوڑ جاتا ہے۔ مجبوراً باہر نکلتا ہے لیکن گوش بر صدائے اذان رہتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی کانوں میں اذان کی آواز پڑی' دھندا بند کیا اسے چھوڑا اور مسجد کی طرف لپکا۔ لیکن ہماری کیفیت تو یہ ہے کہ دل تو دنیا سے لگا ہوا ہے اور ہماری پوری کی پوری توجہ دنیا اور اس کے جھمیلوں میں الجھی رہتی ہے۔ تو رمضان کے پروگرام کی معراج یہ ہے کہ انسان آخری عشرے میں دنیا سے کٹ جائے۔ پہلے دو عشروں میں تم نے دن کا کھانا پینا چھوڑا' بھوک اور پیاس برداشت کی۔ رات کا زیادہ حصہ قرآن' نوافل اور ذکر واذکار کے ساتھ جاگتے رہے۔ اب اس کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ آخری عشرے میں دنیا سے کٹ جاؤ۔ دس دن کے لئے اللہ کی چوکھٹ پر آکر بیٹھ جاؤ۔ دن میں روزہ رکھو اور رات کے زیادہ سے زیادہ حصہ میں اللہ کی یاد میں اپنے آپ کو گم کر دو تاکہ انسان کا جو روٹین بن جاتا ہے' وہ ٹوٹے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے معمولات کا غیر شعوری طور پر بھی اس طرح عادی ہو جاتا ہے کہ ایک روٹین بن جاتی ہے اس کا ایک چکر آپ سے آپ چلتا رہتا ہے۔ اس روٹین کو دس روز کے لئے توڑو اور آؤ اللہ کے گھر میں آکر بیٹھو' آؤ اس سے لو لگاؤ۔ یہ ہے دراصل اعتکاف کا مقصود! اصل محرومی یہ ہے کہ جو حضرات ہر سال مساجد میں اعتکاف کرتے ہیں ان کی اکثریت اس کی روح سے واقف نہیں ہے۔ اعتکاف کے لئے مسجد میں مقیم ہیں' لیکن گپیں بھی ہو رہی ہیں' دنیوی گفتگوئیں بھی ہو رہی ہیں۔ یہ باتیں حرام نہیں ہیں۔ کوئی آپ سے ملنے آئے اور اگر ضرورت ہو تو آپ سے کوئی مشورہ بھی کر لے' اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن ایک ہے کسی چیز کا جائز ہونا اور ایک ہے اس کی اصل روح۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ ان دس دنوں کے لئے انسان اپنے آپ کو دنیا کے جھمیلوں سے منقطع کر لے۔ انسان پر اس دنیا کے مسائل کا جو

غلبہ رہتا ہے اس سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ اب توجہات کا رخ دنیا سے ہٹا کر اپنے مالک کی طرف موڑ لے۔ اگر اعتکاف میں بھی اہل و عیال ' مال و منال اور کاروبار کی فکر ذہن و قلب پر مسلط رہی اور یہاں بیٹھ کر بھی تمام معاملات کے لئے ہدایات جاری ہوتی رہیں ' تو خود سوچئے کہ مسجد میں معتکف ہونے کا کیا فائدہ ہوا؟ آدمی سفر پر جاتا ہے تو وہاں سے بھی ٹیلی فون 'ٹیلی گرام اور ٹیلیکس کے ذریعہ سے یہ کام کرتا ہی رہتا ہے۔ تو اگر یہی کام وہ اعتکاف کی حالت میں بھی کرتا رہے تو کیا فرق واقع ہوا؟ اعتکاف فرض تو ہے نہیں کہ ہر حال میں ادا کرنا ہے ' خواہ طبیعت آمادہ ہو یا اس پر جبر کرنا پڑے۔ نماز چونکہ فرض ہے اس لئے بہر حال ادا کرنی ہے چاہے حالت نماز میں کتنے ہی وسوسے آئیں 'اس سے مفر نہیں۔ لیکن نفل نماز کے بارے میں تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر طبیعت آمادہ ہو 'اس میں نشاط ہو ' دل لگتا ہو تو ادا کرو۔ اس کو زبردستی اپنے اوپر فرض نہ کر لو۔ یہی معاملہ اعتکاف کا ہے۔ اگر طبیعت اس کی پابندیاں قبول کرنے پر آمادہ ہو تو اعتکاف کیجئے! یہ فرض نہیں ہے۔ البتہ مسنون ہے اور نبی اکرمؐ اس کی بڑی پابندی فرمایا کرتے تھے ۔اس کی اصل روح ہے تَبَتُّلٌ اِلَى اللّٰهِ۔ جیسے سورۂ مزمل میں حضورؐ سے فرمایا گیا۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ○ (آیت نمبر ۸) "اور ذکر کئے جاؤ اپنے رب کے نام کا۔ اور چھوٹ کر چلے آؤ اس کی طرف سب سے الگ ہو کر۔" چنانچہ اعتکاف میں اللہ کا ذکر ہو 'اس کی یاد کو دل میں نقش کالحجر بنانے کی شعوری کوشش ہو۔ اس سے دعا ہو 'استغفار ہو 'قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت ہو 'اس پر تدبر ہو۔ الغرض ان ایام کے لئے یکسر نئے معمولات ہوں۔ میں اس موقع پر اختصار سے عرض کروں گا کہ حج میں بھی اسی طور سے معمولات کو بدلنے کا معاملہ ہوتا ہے۔ حج کے متعلق آپ حضرات نے یہ الفاظ تو سنے ہوں گے کہ اَلْحَجُّ اَلْعَرَفَةُ "۔ حج کا رکن رکین وقوف عرفہ ہے۔ اگر وہ فوت ہو گیا تو حج نہیں ہوا۔ باقی کوئی رکن رہ جائے تو اس کا بدل ہے ' اس کی قضا ہو سکتی ہے 'اس کے لئے دم دیا جا سکتا ہے 'اس کے لئے روزے رکھے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر وقوف عرفہ نہیں ہوا تو حج نہیں ہوا۔ یہ اس کی شرط لازم ہے۔ جن لوگوں کو حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں عجیب حکمت رکھی گئی ہے کہ جس طرز کی عبادت کے لوگ عادی ہو چکے ہوتے ہیں ' وہ وہاں بند کر دی گئی ہے۔ عرفہ میں کوئی نماز نہیں۔ ظہر کے ساتھ ہی عصر پڑھ کر عرفہ میں داخل ہونا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بہت سے لوگ عرفات میں جا کر نماز ظہر و عصر پڑھ لیتے ہیں۔ پھر یہ کہ سورج غروب ہونے کے

فوراً بعد عرفہ سے روانگی ہے لیکن مغرب کی نماز وہاں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مغرب کی نماز کافی تاخیر سے مزدلفہ میں جا کر ادا کرنی ہوتی ہے اور اس کے فوراً بعد عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے اب یہ بظاہر عجیب بات ہے۔ لوگ تو ہر نماز اس کے وقت پر پڑھنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ ظہر اپنے وقت پر' عصر اپنے وقت پر اور ادھر سورج غروب ہوا ادھر مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ وہاں آپ سورج غروب ہونے سے قبل عرفہ سے جا نہیں سکتے۔ جو لوگ جاتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ یہ فرق کیوں ہے؟ تاکہ وہ معمول (ROUTINE) والی عادت جو مزاج کا جزو بن گئی ہے' اسے ختم کر کے' اس کے برعکس کام کرایا جائے۔ وقوف عرفہ کی اصل حکمت یہ ہے کہ اگر واقعی اللہ کی طرف انابت ہے تو لوگ وہاں اللہ سے زیادہ سے زیادہ دعا کریں۔ جس طرح چاہیں اس سے مناجات کریں' اس سے ہم کلام ہوں۔ اس کی طرف دھیان ہو' اس سے لو لگائیں' اس سے عفو و مغفرت طلب کریں۔ یہ ہے وقوف عرفہ کی اصل غرض و غایت۔

یہی ہے اس اعتکاف کی اصل روح کہ آدمی اپنے معمولات سے منقطع ہو کر اللہ کے گھر میں آ کر ڈیرا لگا لے۔ وہ ہو اور اس کی تمام تر توجہات کا مرکز و محور اللہ کی یاد بن جائے۔ ہر آن اسی سے لو لگی رہے اور دس دن تک عملاً یہ نقشہ ہو کہ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ۔ اللہ ہی کی یاد ہو کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور کروٹ کے بل لیٹے بھی۔ اللہ کے ذکر سے آپ کے قلب کو وہ اطمینان' راحت اور سکون ملے گا جس کے سامنے ساری دنیا ہیچ ہے۔ خود باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُہُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ ..... "جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ دل اللہ ہی کی یاد سے اطمینان و سکون پاتے ہیں۔" دل مضطر ذکر الٰہی کے ذریعے ہی مکروہات دنیا کے تکدر سے پاک ہو کر اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی۔

منتشر رہتا ہے مکروہاتِ دنیا سے بہت
اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے!

درحقیقت اعتکاف کی مسنون عبادت کا مقصود ہی یہ ہے کہ مکروہات اور مسائل دنیا سے ذرا تعلق منقطع کرو اور اللہ سے لو لگاؤ' اسی کی طرف توجہات کا ارتکاز کرو۔ اس سے مناجات کرو' اس سے مغفرت طلب کرو' اس سے پچھلے گناہوں کی معافی چاہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب

حضرات کو جو آخری عشرے کے لئے مساجد میں معتکف ہو رہے ہیں، توفیق عطا فرمائے کہ اعتکاف کی اس مسنون عبادت کا حق ادا کریں۔

معتکف حضرات کو اس مسنون عبادت کے اجر و ثواب کے ساتھ ایک عظیم عبادت کی سعادت بلا تکلف نصیب ہو جاتی ہے، جس کی فضیلت کے بیان میں قرآن مجید کی ایک مکمل سورۃ مخصوص ہے۔ یعنی لیلۃ القدر وہ رات جس میں قرآن مجید لوح محفوظ سے سارے دنیا پر نازل کیا گیا تھا۔ بعد میں دعوت توحید جن مراحل سے گزرتی رہی، انہی اعتبارات سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن مجید کو حضرت جبرئیل علیہ السلام قلب محمدی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ و السلام پر نازل فرماتے رہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی ترتیب نزولی اور ہے اور جو مصحف ہمارے ہاتھوں میں ہے اسکی ترتیب اور ہے مصحف کی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے اور اسی ترتیب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید امت کو دے کر اس دنیا سے الرفیق الاعلیٰ کی طرف مراجعت فرمائی تھی۔

حضورؐ نے شعبان کی آخری تاریخ میں رمضان المبارک کی عظمت سے متعارف کرانے کے لئے جو خطبہ دیا تھا، اس خطبے میں الفاظ آتے ہیں: شَهْرٌ عَظِيمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ اس لیلۃ القدر کے متعلق دوسری احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ یہ رات آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ہوتی ہے۔ ان میں اسے تلاش کرو۔ معتکف حضرات کو اس رات کی تلاش میں خاص تکلف و اہتمام نہیں کرنا ہو گا۔ وہ انشاء اللہ اس رات کی برکات کو پالیں گے۔ اس رات کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے یہ رات نصیب ہو جائے تو میں اس میں اپنے رب سے کیا دعا مانگوں.....

تو آپؐ نے انؓ کو یہ دعا تلقین فرمائی:

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ

"اے اللہ، بے شک تو بہت معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے پس تو مجھے بھی معاف فرما دے"

اس دعا کی عظمت کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبوب ترین زوجہ محترمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ لہٰذا ان راتوں میں ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا کثرت کے ساتھ پڑھنی چاہئے۔

ایک بات مزید عرض کر دوں کہ رمضان کے آخری عشرے کے مسنون اعتکاف کے

علاوہ اعتکاف کی ایک نفلی شکل بھی ہے۔ آپ ایک دن 'ایک رات 'ایک گھنٹہ حتیٰ کہ پانچ منٹ کا بھی اعتکاف کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیں۔ اب آپ نے جتنے وقت کی نیت کی ہے 'اتنا وقت بس اللہ سے لو لگانی ہے۔ باقی ہر نوع کی دنیوی باتیں چھوڑ دینی ہیں۔ یہ نفلی اعتکاف ہے۔ میرے ماں باپ قربان' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں اتنے شفیق 'اتنے رؤف اور اتنے رحیم تھے کہ اتنے مختصر وقت کے لئے اعتکاف کی نیت اور اس پر صحیح عمل پر بھی ہمیں اجر و ثواب کی بشارت دے گئے ہیں۔

رمضان المبارک اس قرآن کے نزول کا مہینہ ہے۔ روزوں سے ہمارے اندر تقویٰ اس لئے پیدا کرنا مقصود ہے کہ تقویٰ نہیں ہو گا تو قرآن سے استفادہ نہیں کر سکو گے یہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ہے۔ دن میں روزہ رکھو۔ رات کو قرآن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جاگو۔ اس سے تمہارے دل کے اندر انابت پیدا ہو گی' رجوع پیدا ہو گا۔ خشوع پیدا ہو گا۔ قرآن کی عظمت تم پر منکشف ہو گی۔ پھر جب یہ خشوع انتہا کو پہنچ جائے تو آخری عشرے میں سب سے منہ موڑ کر آؤ اور اللہ کے گھر کے کسی کونے میں اللہ سے لو لگانے کے لئے دھونی رما کر بیٹھ جاؤ۔ اس سے مناجات کرو' دعائیں کرو' اس کی کتاب مبین کی تلاوت کرو اور ان ذرائع سے اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرو..... یہ ہے اعتکاف کی مسنون عبادت کی روح اور اس کی اصل غرض و غایت۔ اللہ تعالیٰ ہر معتکف کو ان روحانی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔

دوسری بات میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا اگلا جمعہ ستائیس رمضان المبارک کو آ رہا ہے۔ اس تاریخ کو دنیا کی سب سے بڑی سلطنت "پاکستان" کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ لیکن ہم نے اپنی بد عملی اور ناہنجاری کے باعث اسے آج سے ساڑھے سولہ سال قبل دولخت کرا دیا۔ موجودہ پاکستان وہ نہیں ہے جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا۔ ہمارا ایک بازو ہم سے ٹوٹ چکا۔ اس نے اپنا نام بھی بدل لیا۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے' بہت بڑا حادثہ ہے اور بہت بڑی سزا ہے جو ہمیں اللہ کی طرف سے ملی۔ ہم نے اللہ سے اور خلق خدا سے یہ عہد کیا تھا کہ "پاکستان کا مطلب کیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔" لیکن ہم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔ مادی اعتبار سے ہم نے چاہے کتنی ترقی کی ہو' لیکن واقعہ یہ ہے کہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے ہماری حالت بڑی دگرگوں ہے۔ عالم یہ ہے کہ قیام پاکستان کے وقت جو تھوڑی بہت دینی اور اخلاقی اقدار ہماری قوم میں موجود تھیں' ان کا بھی دیوالیہ نکل چکا ہے اور ہم روز بروز دینی و اخلاقی اعتبارات سے

انحطاط سے دوچار ہوتے اور پستی میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ اللہ سے کئے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہماری سرحدوں پر کئی اطراف سے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑا خطرہ باہر سے نہیں 'اندر سے ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ انعام میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔ اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّ یُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ط (آیت نمبر ۶۵) یا تو آسمان سے عذاب نازل ہوتا ہے' آندھی آگئی' طوفان آگیا' کوئی طوفانی بارش آگئی۔ کوئی سائیکلون آگیا۔ اسی طرح کی کوئی اور آسمانی آفت آگئی۔ یا ہمارے قدموں سے کوئی عذاب پھوٹ پڑے۔ زلزلہ آجائے' خسف ہو جائے' زمین میں دھنسا دیا جائے' جیسے قارون کو اس کے محل سمیت دھنسا دیا گیا تھا۔ جس طریقہ سے عامورہ اور ثمود کی بستیاں تباہ کی گئیں۔ اور جس طرح زمین سے چشمہ پھوٹا تھا جس کے پانی اور آسمان کی بارش نے مل کر طوفان نوح کی شکل اختیار کر لی تھی۔ عذاب کی دو شکلیں تو یہ بیان ہوئی کہ آسمان سے نازل ہو یا زمین سے نکلے۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا عذاب ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کو نہ آسمان سے کچھ نازل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ زمین سے کچھ نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ کیا ہے! وہ بدترین عذاب ہے۔ اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّ یُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ط..... "تمہیں ہی گروہوں میں تقسیم کر دے اور آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھادے"۔ آسمان یا زمین سے عذاب بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں..... ایک دوسرے کی طاقت آپس میں آزماؤ۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ایک دوسرے کا گریبان ہو۔ ایک دوسرے کے خنجر ایک دوسرے کے سینے میں پیوست ہو جائے۔ ایک دوسرے کے گھر خود جلائیں' ایک دوسرے کو خود ہی ذبح کریں..... عذاب کی یہ شکل پہلے مشرقی پاکستان میں آئی۔ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی جان گئی' عزت گئی' آبرو گئی۔ سکھر میں ایک صاحب نے اپنی آپ بیتی مجھے سنائی کہ ہم سترہ افراد تھے جن کو مکتی باہنی کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ یہ غنڈے نہیں تھے چونکہ ہمیں باندھنے والوں نے وضو کیا اور نفل ادا کئے اور دعا کی کہ اے اللہ' ہم ان کو قتل کر رہے ہیں' تو جانتا ہے کہ یہ ظالم ہیں' انہوں نے ہمارا خون چوسا ہے' انہوں نے ہمارے حقوق غصب کئے ہیں۔ اُس کے بدلے ہم انہیں قتل کر رہے ہیں۔ اس دعا کے بعد شوٹ کیا ہے۔ راوی بھی ان سترہ افراد میں شامل تھے۔ ان کو گولی نہیں لگی' لیکن وہ مردہ بن کر گر پڑے۔ اس طرح بچ گئے اور کسی نہ کسی طرح پاکستان آ

گئے۔ یہ بدترین عذاب کی شکل ہے۔ یہ الفتنۃ الکبریٰ ہے اور یہ ہمارے یہاں نمودار ہوا۔ میں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اس بچے کھچے پاکستان میں حالات اسی رخ پر جا رہے ہیں۔ خاص طور پر سندھ اور اس کا ہی نہیں پاکستان کا عروس البلاد کراچی آتش فشاں کے دھانے پر کھڑا ہے۔ کراچی میں پٹھان اور بہاریوں کے درمیان نہایت خونیں اور خوفناک تصادم ہو چکا ہے۔ چھوٹے چھوٹے عذابوں کا مزا اللہ ہمیں چکھا رہا ہے کہ ہم اب بھی ہوش میں آجائیں۔ ایک منی بس میں پندرہ سولہ افراد کو جنہوں نے زندہ جلایا تھا۔ وہ جلانے والے کون تھے! جلانے والے بھی مسلمان اور جلنے والے بھی مسلمان..... اس کے بعد سے روزانہ کسی نہ کسی علاقے اور بستی سے مختلف گروہوں میں مسلح تصادم کی خبریں آ رہی ہیں۔ اسی رمضان کے اوائل میں ان لڑائیوں کی وجہ سے بعض علاقوں میں کرفیو لگ چکے ہیں۔ یہ ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں[1]۔ یہ اُسی عذاب کے آثار ہیں جو مشرقی پاکستان میں اپنی پوری شدت سے آ چکا ہے۔ یہ عذاب کے کوڑے ہماری پیٹھوں پر کیوں برس رہے ہیں۔ معاذ اللہ اللہ تو ظالم نہیں ہے۔ صلوٰۃ التراویح میں آپ نے یہ آیات سنی ہوں گی۔ سورہ آل عمران میں فرمایا۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ (آیت نمبر ۱۱۷) یہی مضمون سورہ اعراف کی آیات نمبر ۱۶۰ - ۱۶۲ اور ۱۷۷ میں ہے۔ مزید برآں بہت سی سورتوں میں اس کا ذکر ہے۔ سورہ یونس کی آیت نمبر ۴۴ میں یہ بات بڑے واضح انداز میں فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ یہ ہمارے اپنے کرتوت ہیں، ہماری بداعمالیاں ہیں بقول شاعر "اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست"۔ ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے یہ اللہ کی تنبیہات ہیں۔ یہ سب کیوں ہے! اسے ایک جملہ میں سمجھ لیجئے۔ جس وعدے پر ہم نے یہ ملک بنایا تھا ہم نے اس کا ایفا نہیں کیا۔ وعدہ خلافی کی ہے۔ ہم نے غداری کی ہے۔ ہم نے اسلام کے لئے یہ ملک بنایا تھا۔ لیکن ہم نے زبانی کلامی باتوں کے علاوہ اسلام کے نفاذ اور اسلامی نظام کے قیام کی طرف قطعی پیش قدمی نہیں کی۔ بلکہ ترقی معکوس کی ہے۔ دینی اور اخلاقی حیثیت سے بحیثیت قوم و ملت ہم روز بروز گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اب اگر ہم اس خوفناک صورت حال سے بچنا چاہتے ہیں

---

[1] خیال رہے کہ یہ تقریر ۳۰ر مئی ۸۶ء کو کی گئی تھی۔ اس کے بعد کراچی جس باہمی مسلح تصادم اور آگ و خون کے دریا سے مسلسل گزر رہا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان حالات پر ہر دردمند دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ (مرتب)

تو اس کا واحد علاج ایک ہی ہے کہ ایک طرف خود اپنی انفرادی زندگیوں پر اسلام کو نافذ کریں، دوسری طرف اللہ کے دین کو عملاً اس ملک میں قائم کرنے کے لئے صحیح نہج پر جدوجہد کریں ا۔ اگر ہم اس کام کے لئے بیڑا اٹھالیں تو ہماری بگڑی بن سکتی ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ ○ "اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جمادے گا"۔ اللہ کی مدد سے مراد کیا ہے! اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنے کی ہمہ تن، ہمہ وجوہ، ہمہ وقت جدوجہد کرنا..... جگر مراد آبادی نے اس مفہوم کی بڑی دلنشین انداز میں ترجمانی کی ہے ؎

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالے اور پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنادے تاکہ ہم دنیا کو پاکستان کے ذریعہ سے اسلام کی برکات سے روشناس اور واقف کرا سکیں اَقُوْلُ قَوْلِیْ ھٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لِیْ وَلَکُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ

ا۔ اس موضوع پر محترم ڈاکٹر صاحب کی نہایت فکر انگیز تحریر "استحکام پاکستان" کے نام سے دو جلدوں میں مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ ملک کے حالات اور اسلامی انقلاب کی ضرورت کو سمجھنے کے لئے انشاء اللہ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ نہایت مفید ہو گا۔

ضرورتِ رشتہ

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور شرفاء کے خاندان سے تعلق رکھنے والی دو سلیقہ مند، اسلامی ماحول کی تربیت یافتہ کنواری لڑکیوں (ایک ایف اے عمر ۲۲ سال اور دوسری ایم اے اکنامکس عمر ۲۳ سال) کے لیے ایسے رشتوں کی ضرورت ہے جو یا تو باضابطہ تنظیم اسلامی میں شامل ہوں یا کم از کم اسی نظریے اور سوچ کے حامل ہوں۔ طرفین کی جانب سے صاف گوئی اور راست معاملگی شرطِ اوّلین ہے۔ صرف مقامی حضرات رجوع فرمائیں۔

پوسٹ بکس ۱۱۵، معرفت ماہنامہ 'میثاق' ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا

غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(ترجمہ) جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو رمضان (کی راتوں) میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں۔

(الحدیث)

Seiko

BRAKE + CLUTCH LINING

میسی فرگوسن ٹریکٹر کے ہر ماڈل پرزہ جات کے ہول سیل ڈیلر

S SEIKO

سٹاکسٹ: طارق آٹوز ۱۳۔ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور۔ فون: ۲۰۰۹۶۰

رمضان المبارک میں
کھانے پینے کے معمولات اور
سونے جاگنے کے اوقات
میں تبدیلی نظامِ ہضم کو
متاثر کر سکتی ہے۔

سحر و افطار کے وقت نئی کارمینا کا باقاعدہ استعمال
نظامِ ہضم کو منظم اور درست رکھتا ہے۔

نئی کارمینا

ہمیشہ گھر میں
رکھیئے

ہمدرد
ہم خدمت خلق کرتے ہیں

صداقت، رُوحِ پاکیزگی ہے

Adarts-CAR-2/88

مولانا سیّد حامد میاںؒ کی وفات پر
"اوّل وھلہ میں"

مولانا افتخار احمد فریدی، مراد آباد (بھارت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب دیوبندی ثم مراد آبادی ثم لاہوری کی وفات و جدائی نے دل کو تڑپا دیا۔ مسلسل دعا مانگ رہا ہوں اُن کے لئے درجات عالی، اُن کے مشن کی سلامتی و بقا، اُن کے خانوادے میں جوڑ و محبت کے ساتھ جامعہ مدنیہ کی خدمت کے لئے خوب قبول فرمائے۔ مولانا کے والد صاحب مولانا محمد میاں صاحبؒ کی زندگی کا بڑا حصّہ مراد آباد مدرسہ شاہی میں گذرا تعلیم و تدریس، دعوت و جہاد، تاریخ ملّت پر ان کا بڑا کام ہے تقسیم وطن کے بعد قتل گاہوں میں خدمت و غم گساری میں زندگی کے آخر تک لگے رہے۔

حضرت مولانا حامد میاں صاحبؒ کا درس و تربیت و تعلیم و تدریس سب مراد آباد ہی میں ہوئی۔ خانوادۂ شیخ الہندؒ میں شادی ہوئی۔ مولانا عبدالحق مدنیؒ ناظم مدرسہ شاہی مراد آباد کی صاحبزادی سے۔ ان کی خوش دامن حضرت شیخ الہندؒ کی بھتیجی ہیں جو دیوبند میں مقیم ہیں۔

دیوبند کی زمین سے جو علم و دین، جہاد کا کام لیا گیا اس میں کارفرما سادات و صدیقی و عثمانی خانوادے ہی کارفرما رہے جو غیبی نظام کے ساتھ دیوبند میں بسائے گئے تھے ــــ شیخ الہند کے جانشین شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تربیت پاکر حضرت مدنیؒ کی نسبت عالی کی نمائندگی کے لئے حق تعالیٰ نے خطۂ پاکستان کو نوازا۔ زندگی بھر ملّت پاکستان کی دینی خدمت میں لگے رہے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی خدمت قرآن تعلیم اسلامی کی بھی رہبری فرماتے رہے۔ مجھ حقیر و فقیر کو بھی کچھ فرماتے رہے تھے۔ ان کے آخری خط کی فوٹو کاپی ارسال کر رہا ہوں بندہ بھی ان سے درخواست کرتا رہا حضرت والد صاحبؒ کے حالات زندگی لکھنے کے لئے۔ معلوم ہوا ہے کہ کچھ لکھے تھے۔ اگر مل جائیں تو انہیں بھی میثاق میں دیدیجئے گا۔

والسلام

محروم خادم افتخار فریدی۔ مراد آباد

مکتوب گرامی مولانا سیّد حامد میاںؒ بنام مولانا افتخار احمد فریدی

محترمی ومکرمی ! دام مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ جو ۱۴؍اگست کا تحریر فرمودہ ہے موصول ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اس ارادہ میں کہ کسی وقت آپ اپنی محفوظات جمع کریں۔ وقت گزرتا جارہا ہے۔ اس کے بجائے آپ روزانہ ایک کاپی پر اپنے ہاتھ ہی سے ایک صفحہ لکھتے رہیں۔ جو یاد آئے لکھدیا جائے اور تاریخ ڈالدی جائے۔ یہ روزنامچہ نما مجموعہ تاریخ و احوال چاہے غیر مرتب ہو کہ کبھی کسی کا اور کبھی کسی کا حال لکھا گیا لیکن نہایت مفید اور دلچسپ ضرور ہوگا اور کسی بھی وقت افراد و شخصیات کے حالات یکجا بالترتیب کوئی بھی جمع کر دے گا اس کی ایک فوٹو کاپی بھی پابندی سے کرلتے رہیں تو بہت بہتر ہو۔ وہ کسی معتبر آدمی کے ہاتھ یہاں آجایا کرے تو رسائل میں شائع ہوتی رہے گی — ان شاء اللہ ! اللہ تعالےٰ ہمارے اور آپ کے اوقات میں برکت عطا فرمائے۔

دعاؤں کا خواستگار حامد میاں ۱۷؍اکتوبر ۸۷ء

۵۰ سالہ تجربہ کے حامل

خوبصورت +

پائیدار + گارنٹی شدہ

S.A FANS

ایس اے پنکھے

جی۔ٹی روڈ گجرات فون 7147_4700

نام بھی اچھا — کام بھی اچھا
صوفی سوپ ہے سب سے اچھا

صوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

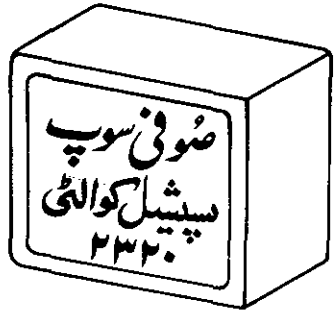

صوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ۔ لاہور، ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

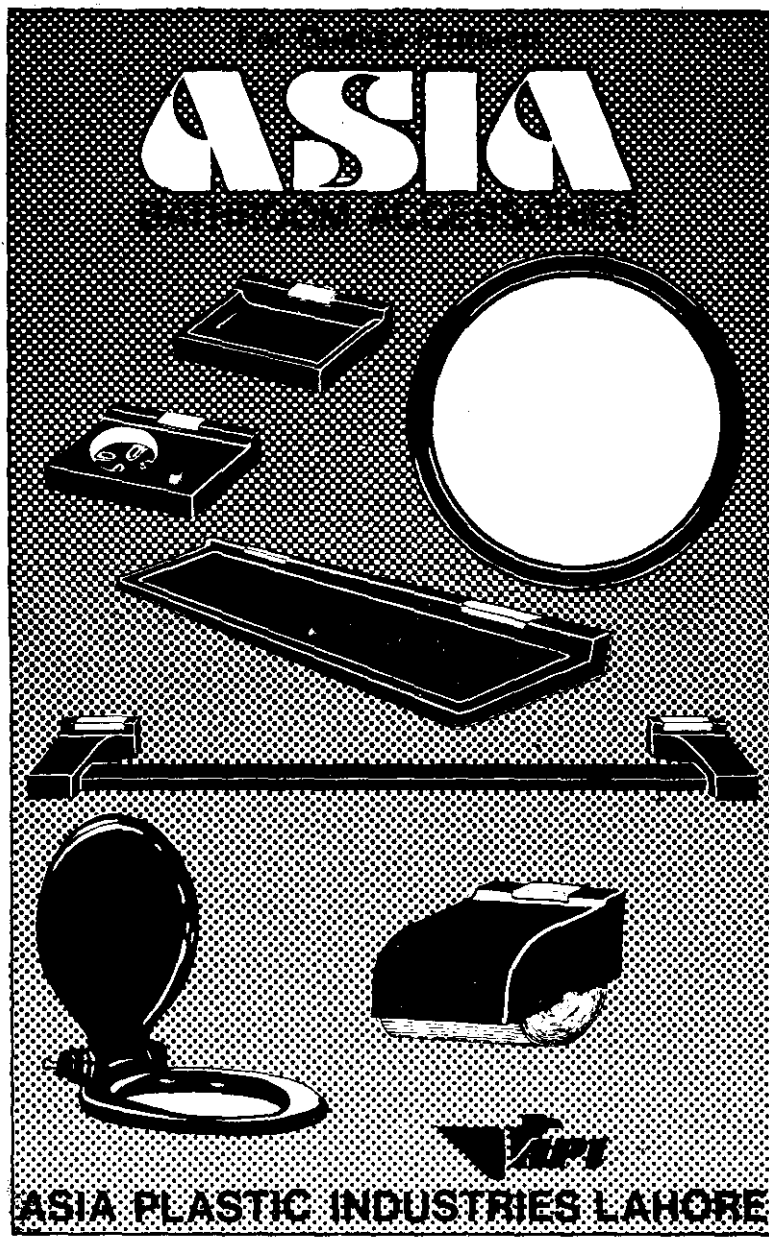

ASIA
APi
ASIA PLASTIC INDUSTRIES LAHORE

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

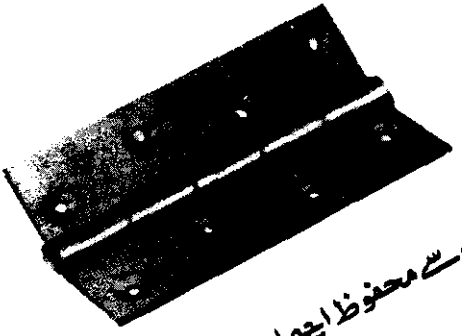

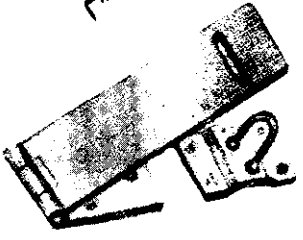

زنگ سے محفوظ اچھا معیار اور مناسب دام
PISTOL BRAND
TRADE MARK
REGD.
قبضہ پیتل
قبضہ سٹیل گیلوانائزڈ
سیفٹی چپکہ نکل کروم
پستول مارکہ
NAVICO
مینوفیکچرز: ایم۔ایس مختار انڈسٹریز (رجسٹرڈ) سرگودھا پاکستان
فون 3648

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ہر قسم کے بال بیرنگز کے مرکز

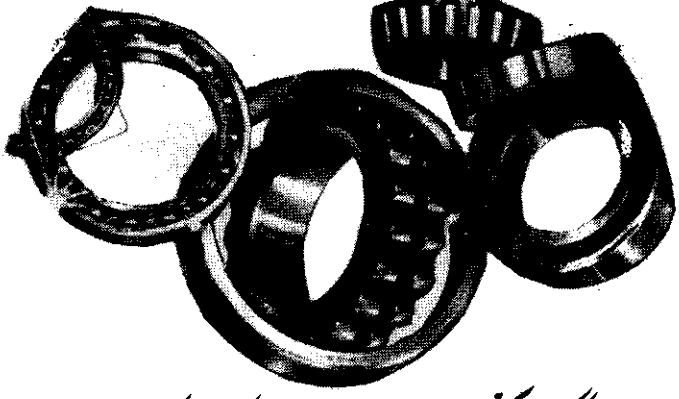

سندھ بیرنگ ایجنسی ۔ ۶۵۰۔ منظور اسکوائر پلازہ کوارٹرز۔ کراچی، فون: ۷۲۳۳۵۸
۷۲۱۱۷۲
خالد ٹریڈرز۔ بالمقابل کے۔ایم۔سی ورکشاپ۔ نشتر روڈ۔ کراچی

فون: ۷۳۵۸۸۳ — ۷۳۲۹۵۲ — ۷۳۰۵۹۵

معدے کی تیزابیت، بدہضمی اور بھوک کی کمی کے لیے
لیکوڈ
گیسٹوفل
معدے کی تکالیف میں آرام کے لیے
گیسٹوفل ہمیشہ گھر میں رکھیے
Gesto fil
تحقیق کی روایت۔ معیار کی ضمانت

QD – 6

حدیثِ نبوی

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يُشَفَّعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَيْ رَبِّ اِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے (یعنی اُس بندے کی جو دن میں روزے رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور کھڑے ہو اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کریگا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا، آج میری سفارش اسکے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ: میں نے اِسکو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا، خداوندا آج اسکے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اُس بندہ کے حق میں قبول کی جائیگی (اور اس کیلئے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائیگا)

عطیہ اشتہار: سروش

قرآنِ حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

بذریعہ خط و کتابت کورس گھر بیٹھے حاصل کیجئے

یہ اپنی نوعیت کا منفرد کورس ہے جس میں قرآن حکیم کی منتخب سورتوں اور آیات اور احادیثِ رسولؐ کے مطالعہ سے طالبِ علم یہ جان لیتا ہے کہ دین فی الواقع ہے کیا ہے ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں ہے اور انہیں کس طور ادا کرنا ہوگا۔

پراسپکٹس مندرجہ ذیل مقامات پر سے حاصل کیجئے

یورپ اور برطانیہ — EUROPE & U.K.

AFSAR SIDDIQI TA-HA PUBLISHERS LTD.
1-WYNNE ROAD LONDON SW9 0BB TEL: 01-737-7266

شمالی امریکہ — NORTH AMERICA

SOCIETY OF THE SERVANTS OF AL-QURAN
810, 73RD STREET. DOWNERS GROVE.
IL 60516 U.S.A. TEL: 312-969-6755 312-964-7806

سعودی عربیہ — SAUDI ARABIA

MR. AZEEM UD DIN AHMAD KHAN
P.O.BOX 20249 RIYADH 11455 SAUDI ARABIA
TEL: 446-2865

عرب امارات — ARAB EMARITES

JAMIAT KHUDDAMUL QURAN
P.O.BOX 388 ABU DHARI U.A.E. TEL: 726509

بھارت — I N D I A

ANJUMAN KHUDDAMUL QURAN INDIA
4-1-444, 2ND FLOOR BANK STREET
HYDERABAD 500001 INDIA
TEL: 42127

اندرونِ پاکستان

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن
فون: ۸۵۲۶۸۳-۸۵۲۶۱۱

Jawad
Products

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

For further details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV C 3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 37 No. 5
MAY 1988

گھی دُودھ سے حاصل کردہ بچکنائی کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ کسی دوسری بچکنائی کو گھی نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ تو مختلف اقسام کے تیل ہیں جو گھی کے نام پر فروخت ہوتے ہیں

قدرتی طور پر وٹامن اے اور ڈی سے بھرپور

دیسی گھی کا بہترین تحفہ

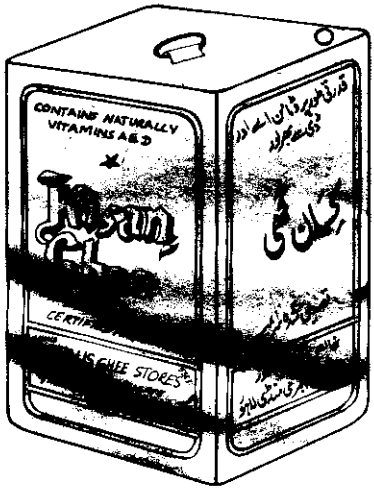

کِسان گھی

آپ کا آزمودہ

متبادل بچکنائیوں کی نسبت زود ہضم اور لذیذ

پنجاب کے دیہاتوں سے حاصل کردہ
خوش رنگ قدرتی خوشبو کے ساتھ

ایک کلو، ½۲ کلو، ½۴ کلو اور ۱۶ کلو کے سربمہر ٹن کے ڈبوں میں پیک شدہ

خالص گھی سٹورز
آزاد بازار اندرون
اکبری منڈی لاہور ۸
فون: ۵۳۸۳۱ — ۲۵۲۸۵۲